یہ شرکت گوارا ہے مجھے

فرحت اشتیاق



یہ شراکت گوارا ہے مجھے!

''ہائے اللہ بھابھی! کیا بتاؤں آپ کو، مجھے ووٹ ڈالنے کا کس قدر شوق ہے۔ ابھی ریفرنڈم ہوئے اور پچھلے سال جو سٹی گورنمنٹ کے انتخابات ہوئے تو دونوں مرتبہ میں پاکستان میں نہیں تھی ورنہ میں تو ووٹ ڈالنے لازمی جاتی۔'' ساحرہ بھابھی آنے والے الیکشنز کے حوالے سے خاصی پرجوش نظر آ رہی تھیں۔

''ہاں اب تو آپ ووٹ ڈال بھی سکتی ہیں۔ ووٹر کی کم سے کم عمر ۱۸ سال جو کر دی گئی ہے۔''

کہا تو میں نے طنزیہ انداز میں تھا مگر وہ اپنی عمر کے بارے میں اتنی کوشش رہا کرتی تھیں کہ میرا طنز سمجھے بغیر کچھ شرمائے ہوئے انداز میں ہنس پڑیں۔

''آپ بھی بھابھی بس! بناتی بہت ہیں۔ اب خیر میں اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوں، ہاں جب ۹۷،۹۶ میں الیکشن ہوئے تو میرا بہت دل چاہا تھا ووٹ ڈالنے کو لیکن......''

''لیکن اس وقت تو آپ کا شناختی کارڈ بھی نہیں بنا تھا۔'' میں نے بظاہر دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے ان کی بات کاٹی تو وہ میرے ان کو اتنا ''چھوٹا'' سمجھنے پر خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔ ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بنی وہ مسلسل خوشگوار انداز میں مسکرائے جا رہی تھیں۔

''خیر، اب تو ووٹر کی عمر بھی ۱۸ سال کر دی گئی ہے اور ووٹر کے لیے گریجویٹ ہونے کی کوئی شرط بھی عائد نہیں کی گئی ہے لہٰذا آپ کا شوق انشاء اللہ اس بار ضرور پورا ہو ہی جائے گا۔''

میں نے پھر لفظوں میں مٹھاس گھول کر ان پر وار کیا۔ اب کی بار ان کے چہرے پر کچھ ناگواری سی پھیل گئی تھی۔ اپنے کانوینٹ سے پڑھے ہوئے ہونے پر تو انہیں جی بھر کر غرور ہے۔ کانوینٹ سے پڑھا ہوا ہے یا جہاں سے بھی، انٹر کے مساوی تعلیم ہے ان کی۔ الیکشن لڑنا چاہیں تو نا اہل قرار پائیں گی لیکن اپنی انگلش پر غرور بہت ہے انہیں۔ پہلی ہی ملاقات میں مجھے اپنی لندن میں ابتدائی اسکولنگ اور پھر پاکستان آ کر کانوینٹ سے پڑھنے کا قصہ تفصیلی سنا دیا تھا۔ میرے سامنے بہت پوز کر کر کے برٹش لب و لہجے میں انگریزی اس طرح بولی جاتی ہے کہ اکثر میرا دل چاہتا ہے میں اپنی ایم اے انگلش فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن کی ڈگری لا کر ان کے سامنے رکھ دوں اس پر چھوٹا بننے کا بہت شوق ہے۔

''پہلے پہل کراچی آنے پر جب میں ان سے ملی تو ان کی بالترتیب نو اور سات سال کی بیٹیوں کو دیکھ کر میں نے یہی سوچا تھا کہ ان کی شادی یقیناً کم عمری میں ہو گئی ہو گی۔ وہ عمر میں مجھ سے شاید پانچ چھ سال بڑی ہوں گی اور اتنی سی عمر کی بڑائی پر انہیں آپ جناب اور بھابھی وغیرہ کے نام سے بلانا مجھے آکورڈ لگا تھا اس لیے میں نے عورتوں کی مخصوص فطرت سے ہٹ کر انہیں ان کے نام ساحرہ سے اور تم کر کے باتیں شروع کر دیں۔ اصولاً

انہیں میری اس بڑائی اور اعلیٰ ظرفی تسلیم کرنا چاہیے تھا۔ ایک تو وہ ویسے ہی عمر میں مجھ سے بڑی تھیں پھر دو دو بچیوں کی اماں جان، جب کہ میں نئی نویلی شادی شدہ، تازہ تازہ یونیورسٹی سے فارغ شدہ۔ مگر انہوں نے بجائے میری اعلیٰ ظرفی سے متاثر ہونے کے میرے ایم اے پاس ہونے کا سنتے ہی مجھے امیمہ بھابھی، امیمہ بھابھی کرنا شروع کر دیا۔ دل ہی دل میں تو میں جل بھن کر خاک ہو گئی، فوراً ہی اپنی اعلیٰ ظرفی سے دست بردار ہوتے ہوئے میں نے بھی جواباً انہیں ساحرہ بھابھی کہنا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں عورتیں عمر چھپانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں، ان سے مل کر اس بات کی صداقت پر مجھے یقین آ گیا تھا۔ کبھی کسی پرانے واقعہ کا حوالہ دے دیں تو فوراً ہی اس فکر سے کہ کہیں میں اس سے ان کی صحیح عمر کا اندازہ نہ لگا لوں جھٹ کہیں گی۔

''گلف وار جب ہوئی میں اسکول میں پڑھتی تھی۔ اس وقت تو اتنے چھوٹے تھے کہ یہ بات سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی کہ عراق نے کویت پر آخر حملہ کیا ہی کیوں؟ جواب امریکہ کے ہاتھ اپنی شامت بلوا بیٹھا ہے۔''

جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسنا شاید اسے ہی کہا جاتا ہے۔

۹۱ میں یہ چھوٹی سی بچی تھیں اور اسکول میں پڑھتی تھیں، عمر چھپانے کے معاملے میں تو انہوں نے ہماری فلمی اداکاراؤں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اب تو میں نے اپنی پانچ چھ سال والی رائے پر بھی نظر ثانی کر لی تھی۔ میرا خیال ہے یہ اس سے کچھ زیادہ ہی بڑی ہوں گی۔ چھیل چھبیلی بنی پھرتی ہیں، کالج گرلز جیسی ڈریسنگ اور ناز و ادا ایسے کپڑے تو میں نہیں پہنتی، ہر فیشن بے دھڑک اپناتی ہیں۔ اپنی عمر اور جثہ دیکھے بغیر پچانوے کلو وزن کے ساتھ زپ اور پلیٹوں والی خوب تنگ شرٹ اور ٹراوزر پہنے جب میں نے انہیں دیکھا تو بمشکل اپنی مسکراہٹ ان سے چھپائی تھی۔ میری مسکراہٹ سے بے نیاز وہ خود کو قلوپطرہ سے کم نہیں سمجھ رہی تھیں۔

خوب صورت وہ بے شک بہت ہیں لیکن اس حسن پر داغ اس موٹاپے کی وجہ سے لگ گیا ہے۔ شانوں پر لاپروائی سے دوپٹہ ڈالے اور بالوں کی بیچ کی مانگ نکال کر دونوں طرف میٹرک اور انٹر کی بچیوں کی طرح ہیئر کلپ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ کسی پر اسٹرابریز بنی ہیں، کسی پر ٹیڈی بیئر، کسی پر خوب صورت اور کیوٹ سی بلی بنی ہے۔ شروع شروع میں میں حیران بھی ہوئی اور مجھے ہنسی بھی بہت آئی مگر پھر آہستہ آہستہ ان کا پرابلم میری سمجھ میں آ ہی گیا۔ وہ واقعی خود کو اٹھارہ سے اوپر ماننے کو تیار ہی نہیں تھیں۔

ساحرہ بھابھی میرے برابر والے فلیٹ میں رہتی ہیں۔

اسامہ کی کراچی پوسٹنگ ہوئی تو میرے لیے یہ بہت بڑی خوشی کی خبر تھی۔ ساس نندوں کو بھگتنا کوئی آسان کام نہیں، میں تو شادی کے چھ مہینوں میں ہی تنگ آ گئی تھی۔ ساس میری ایسی مکار اور چالاک خاتون ہیں کہ کیا بتاؤں، اوپر سے بیٹا پوری طرح اماں کے کنٹرول میں ہے، میری کیا مجال کہ کبھی پلٹ کر انہیں کوئی جواب دے سکوں۔ بات بات پر روک ٹوک اور تنقید...... ایسے میں سسرالیوں سے پیچھا چھٹنے کا سن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا تھا۔ مجھے خوشی خوشی کراچی جانے کی تیاری کرتا دیکھ کر اسامہ بڑی بے مروتی سے بولے۔

''تم کہاں کی تیاری کر رہی ہو، میں کراچی اکیلا جاؤں گا۔ ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، حرا کی اپنی کالج کی اور پڑھائی کی مصروفیت ہے

ایسے میں کوئی تو ہو ان کے پاس۔''

میرا دل جل کر خاک ہو گیا تھا۔ ماں باپ کی سکھائی تہذیب اور مروت آڑے آ گئی تھی ورنہ پوچھتی کہ کیا یہاں مجھے ممی کی خدمت کے لیے لایا گیا ہے اور گھر میں موجود نوکر کیا مر گئے ہیں اور سب سے بڑے خادم میرے سسر جو بیگم کے آگے اف تک نہیں کرتے۔ پتا نہیں بڑی بی نے بیٹوں کے ساتھ ساتھ میاں کو بھی کس طرح قابو کر کے رکھا ہوا ہے۔ مجال ہے ان کی مرضی کے بغیر پتہ بھی ہل سکے۔ میرے منہ پھلانے اور ناراض ہونے کا اسامہ نے رتی برابر بھی نوٹس نہیں لیا تھا۔ نہ آیا ہمیں اپنی ساس کی طرح میاں کو قابو کرنا اور اپنے اشاروں پر چلانا۔ حالانکہ شادی کے شروع شروع کے دنوں میں میں اسامہ کو بڑا رومانٹک قسم کا انسان سمجھتی تھی لیکن ہنی مون پیریڈ ختم ہوتے ہی میری یہ خوش فہمی بھاپ بن کر اڑ گئی تھی۔ میں جو یہ سمجھا کرتی تھی کہ شادی کے اولین دنوں کی طرح وہ ساری زندگی ''جادو ہیں تیرے نین غزالاں سے کہوں گا'' کہتے ہوئے گزار دیں گے قطعاً ثابت ہو چکا تھا۔ اب تو انہیں سوائے مجھ میں عیب نکالنے اور وقت بے وقت رعب جمانے کے کچھ آتا ہی نہیں تھا۔

ناچار دل پر پتھر رکھ کر میں خاموش ہو گئی تھی میری ناراضی کی وہاں پرواہ کسے تھی لیکن اماں نے بیٹے کو یونہی تھوڑی قابو میں کر کے رکھا ہوا تھا۔ جب اچھی طرح بیٹے کے ہاتھوں اس حوالے سے میرا دل جلوا چکیں تو از خود ہی بیٹے کے پیچھے لگ گئیں کہ۔

''اکیلے کیسے رہو گے، امیمہ کو بھی ساتھ لے جاؤ، نئی نئی شادی ہوئی ہے وہاں خوب گھومنا پھرنا۔''

میری بات کی تو کوئی ویلیو ہی نہیں تھی لیکن امی کا حکم کیسے ٹالا جا سکتا تھا۔ ساتھ ساتھ ممی کی شان میں خوب قصیدے بھی میرے سامنے پڑھے گئے جو بہو کا اتنا خیال کر رہی تھیں۔ مجھے کراچی لے جا کر گویا میرے اوپر ایک طرح سے احسان کیا گیا تھا۔

اپنے اوپر کیے جانے والے اس احسان کے باوجود میں اسامہ کے ساتھ جانے پر بہت خوش تھی۔ وہاں ہم دونوں اکیلے ہوں گے۔ کوئی ان کے کان بھرنے والا بھی نہیں ہو گا۔ دو تین مہینوں میں ہی انہیں ممی کے اثر سے نکال دوں گی۔ اسامہ کی جاب بھی بہت شاندار تھی ان کی فرم کی طرف سے انہیں کراچی کے پوش علاقے میں فرنشڈ اپارٹمنٹ بمعہ گاڑی ملا تھا۔ الگ گھر میں رہنے کی حسرت کس لڑکی کو نہیں ہوتی، میں تو قیمتی ساز و سامان سے آراستہ، سجے سجائے فلیٹ کو دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گئی تھی حالانکہ اسلام آباد میں میرا سسرالی گھر بہت شاندار اور بڑا تھا مگر وہاں میرا دل جلانے کو ہر وقت ساس اماں جو موجود رہا کرتی تھیں۔ یہاں تو میں اپنی مرضی سے رہوں گی، اپنی مرضی سے سوؤں گی، اپنی مرضی سے اٹھوں گی، اپنی مرضی کا کھانا پکاؤں گی۔

لیکن وائے افسوس میری قسمت میں اپنی مرضی کی زندگی گزارنا لکھا ہی نہیں گیا تھا۔ ممی نہیں تھیں تو ان کا بیٹا ان کی کمی پوری کرنے کو سارا وقت مجھے نچائے رکھتا تھا۔ کبھی کبھی تو اسامہ مجھے اپنی ساس کی فوٹو کاپی لگنے لگتے۔ میرا سونا، آرام کرنا، سب انہیں زہر لگتا ہے۔ کبھی جو اس بات کا لحاظ کر لیں کہ بیگم میری اتنی میٹھی اور گہری نیند سو رہی ہیں تو چلو آج میں خود ہی ناشتہ کر کے آفس چلا جاؤں۔ چیخ چلا کر مجھے جگایا جائے گا، ساتھ ساتھ لعن طعن کی جائے گی کہ رات ہی ان کے کپڑے وغیرہ نکال کر کیوں نہیں رکھے تھے۔ ناشتا صاحب بہادر کی مرضی کا ہونا چاہیے ورنہ ایسی ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ توبہ بھلی۔ اور تو اور جوتے بھی میں پالش کروں۔ پکی نوکرانی سمجھ لیا گیا ہے مجھے۔ اس پر بھی اکثر پھوہڑ عورت اور جاہل عورت کے القاب

سے نوازا جاتا ہے اور یہ القاب صبح آفس سے لیٹ ہونے کی صورت میں سخت طیش کے عالم میں دیے جاتے ہیں۔

ہماری شادی کسی افیئر کا نتیجہ نہیں، جو میں ان کے بدلے رویوں پر کڑھوں کہ پہلے تو یوں میرے ساتھ پیار بھری باتیں کی جاتی تھیں اور ویسے تو شادی محبت کر کے کی جائے یا بغیر محبت کے بعد کے حالات دونوں ہی صورتوں میں اسی قسم کے ہی ہوتے ہیں۔ سیدھی سادی اریجنڈ میرج ہے ہماری۔

میری بڑی نند عظمیٰ آپی نے ایک محفلِ میلاد میں مجھے دیکھتے ہی اپنے لائق فائق اور ہینڈسم بھائی کے لیے پسند کر لیا تھا۔ انہیں اپنے بے شمار خوبیوں کے مالک لاڈلے بھائی کے لیے جو پوری طرح اماں اور بہنوں کے کہنے میں تھا ایک بھولی بھالی اور سیدھی سادی لڑکی کی تلاش تھی اور مجھ معصوم کی شکل میں ان کی یہ خواہش پوری ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کی مکاریاں دیکھ کر تو اب میں سوچتی ہوں کاش اسامہ کی کسی تیز اور چالاک سی لڑکی سے شادی ہوئی ہوتی، چار دن میں سب کو تگنی کا ناچ نچا دیتی۔ میری جیسی بے زبان اللہ میاں کی گائے (جسے جس کا جو دل چاہے کہہ دے) کا تو یہاں گزارا ہی نہیں۔



ہمیں کراچی آئے تیسرا دن تھا جب ایک روز دوپہر کے وقت ساحرہ بھابھی مجھ سے ملنے چلی آئیں۔ وہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی اور پہلی ملاقات میں ہی خاتون مجھے خاصی چھچھوری لگی تھیں لیکن نیا شہر تھا یہاں کی جگہوں اور لوگوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے کسی نہ کسی سے دوستی تو کرنی ہی تھی۔ اس لیے ان کی بہت سی عادتیں پسند نہ آنے کے باوجود بھی میں انہیں برداشت کر لیا کرتی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ ساحرہ بھابھی کے شوہر، اسامہ کے یونیورسٹی فیلو نکلے۔ دراصل اسامہ نے ایم ایس سی کراچی یونیورسٹی سے ہی کیا ہے۔ پڑھائی کی وجہ سے وہ کئی سال کراچی میں رہے تھے اس لیے انہیں کراچی کے راستوں اور جگہوں سے مکمل شناسائی تھی۔ عدیل بھائی، اسامہ پرانے دوست اور واقف کار نکلے تو مزید ہمارے گھرانوں میں قربت پیدا ہوگئی۔

ساحرہ بھابھی کے ساتھ میں نے کراچی کے مختلف شاپنگ سینٹرز وغیرہ کا دورہ کیا۔ گھر کے لیے ضرورت کی خاص خاص چیزیں خریدیں۔ وہ بھاؤ تاؤ بھی ٹھیک ٹھاک کر لیا کرتی تھیں ورنہ مجھے تو دکانداروں سے قیمتیں کم کروانی کبھی نہیں آئیں۔ ان کی باتیں اگر آپ میں برداشت کرنے کا حوصلہ ہے تو پھر ان کے ساتھ کے کئی فائدے بھی ہیں اور باتیں ان کی وہی چھچھوری جنہیں میں بمشکل برداشت کیا کرتی تھی۔

''میں لندن میں پیدا ہوئی، میری ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی، حالانکہ ''ان'' کی خود کی انگلش اتنی اچھی ہے لیکن میرے آگے ''انہیں'' بھی Oxford dictionary کی مدد لینی پڑتی ہے۔''

وہ عدیل بھائی کا نام نہیں لیتی تھیں۔ ٹیپکل مشرقی خاتون جو شوہر بیچارے کا ذکر ہر وقت یہ، وہ ان اور انہیں کہہ کر کیا کرتی تھیں۔ شادی سے پہلے ہم دوستوں کا گروپ عورتوں کی اس قسم (جو شوہروں کو اسمِ ضمیر سے مخاطب کرتی ہیں) کا دل کھول کر مذاق اڑایا کرتے تھے لیکن شادی کے بعد میں نے ایسی خواتین کا مذاق اڑانا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ خود میری ساس کو میرا اسامہ کا نام لینا سخت ناپسند ہے اور شادی کے ابتدائی دنوں ہی میں

انہوں نے مجھے اسامہ کو اسامہ کہنے سے منع کر دیا تھا۔ اب میں بغیر نام لیے آپ جناب کر کے ہی ان سے بات کیا کرتی ہوں۔

ہاں پیچھے میں کسی سے ان کے بارے میں بات کر رہی ہوں تو کبھی یہ، وہ اور ان نہیں کرتی، سیدھا سیدھا نام لیتی ہوں ان کا۔ ان کا نام تو ویسے بھی آج کل زبانِ زدعام ہے۔ ہر چھوٹے بڑے کے منہ پر یہی نام ہے یہاں تک کہ امریکی صدر تک کو سوتے میں ''اسامہ اسامہ'' کی آوازیں اور اسامہ کے بھوت اپنے اردگرد ناچتے نظر آتے ہیں۔ ایسے میں اگر میں ان کا نام لے لیتی ہوں تو مضائقہ ہی کیا ہے۔

اسامہ نام سے یاد آیا، اسامہ کا ایک دوست امریکہ میں رہتا ہے۔ پچھلے دنوں اس بے چارے کی کم بختی آئی اور اس نے دوست کی محبت میں آ کر ایک مختصری E-mail انہیں بھیج دی۔ جس میں صرف یہ درج تھا۔ ''اسامہ! میں خیریت سے ہوں، تم کیسے ہو؟''

ابھی E-mail بھیجے آدھا گھنٹہ ہی ہوا ہوگا کہ ایف بی آئی والے اس کے گھر پہنچ گئے، بڑی مشکلوں سے بے چارے کی گلو خلاصی ہوئی۔

افوہ میں بھی کہاں سے کہاں نکل جاتی ہوں۔ بات ہو رہی تھی ساحرہ بھابھی کی اوچھی باتوں اور شو آف کی۔ ایسی چھچھوری عورت میں نے ساری زندگی نہیں دیکھی۔ اپنی لندن کی تعلیم پر تو جو غرور انہیں ہے سو ہے۔ میاں کی تعلیم اور پوسٹ پر بھی خوب دل کھول کر اتراتی ہیں محترمہ۔

''اب میں اتنے بڑے آفیسر کی بیوی ہوں، خود مین ٹین کر کے نہ رکھوں اور اپنی Appearance کا خیال نہ رکھوں تو لوگ کیا کہیں گے۔ اس لیے لباس اور تیاری پہ اتنی توجہ دیتی ہوں'' اپنے ساتھ بیوٹی پارلر لے جاتے ہوئے انہوں نے فخر سے سر اونچا کر کے کہا تھا۔

ہر مہینہ جس پارلر وہ جاتی تھیں وہیں میں بھی جانے لگی تھی۔ وہاں ان کی اچھی واقفیت تھی اس لیے میرا کام بھی ان کے ساتھ آنے کی وجہ سے اچھا ہو جایا کرتا تھا ورنہ یہاں وہاں سے بالوں کی کٹنگ کروا کر تو میں کبھی مطمئن ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ بچیاں ان کی دونوں ماما پارسی میں پڑھ رہی ہیں۔ بچیوں کی اچھی اسکولنگ پر بھی انہیں بڑا ناز تھا۔ کوئی پوچھے نہ پوچھے خود ہی۔

''فروا اور مریم ماما پارسی میں پڑھتی ہیں۔'' بتایا کرتی تھیں۔

کوئی نئی شاپنگ کی گئی ہے تو جب تک سارے جگ میں اس کی تشہیر نہ کر لیتیں ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔

''یہ Noritake کا ڈنر سیٹ ''انہوں'' نے گل پلازہ سے خرید لیا حالانکہ میں منع بھی کر رہی تھی کہ کیا ضرورت ہے اتنی مہنگی کراکری خریدنے کی مگر ''انہیں'' پتا ہے ناں کہ مجھے برتن جمع کرنے کا کریز ہے اس لیے پیسوں کی پرواہ کیے بغیر اتنا مہنگا ڈنر سیٹ خرید لیا۔ اب اس کی قیمت میں آپ کو کیا بتاؤں، آپ خود سمجھدار ہیں Origional جاپانی ہے اور ڈیزائن بھی بالکل نیا ہے۔ چھیانوے پیس کا۔''

ساری بلڈنگ میں وہ اپنی شاپنگز کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں۔ روزمرہ کے گھریلو استعمال کی اشیاء کو دیکھ کر تو میں کبھی کوئی خاص متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اللہ کا شکر ہے میرے میکے اور اب سسرال میں بھی ضروریات زندگی کی تمام بہترین اور قیمتی اشیاء موجود ہیں لیکن جب انہوں نے اپنی سالگرہ پر عدیل بھائی کی جانب سے تحفے میں ملنے والی وائٹ گولڈ کی پلاٹینم جڑی انگوٹھی دکھائی تو میرا رشک و حسد سے برا حال ہو گیا۔ شادی کے اتنے سالوں بعد بھی عدیل بھائی بیگم کے اس طرح نخرے اٹھاتے ہیں اور ایک میرے شوہر صاحب ہیں، انہیں تو ایسی باتیں چونچلے بازی نظر آتی ہیں۔ ابھی پچھلے مہینے

میری سالگرہ آئی تو انہوں نے مجھے وش تک نہیں کیا تھا جبکہ میں ان کی جانب سے شاندار سے تحفے کینڈل لائٹ ڈنر اور ڈھیر ساری رومانٹک گفتگو کی آس لگائے بیٹھی تھی۔ سالگرہ سے کئی دن پہلے باتوں باتوں اپنی ڈیٹ آف برتھ بھی انہیں بتا دی تھی۔ خوش فہمی ہی تھی میری جو میں یہ سمجھ رہی تھی کہ انہوں نے میری سالگرہ کا دن یاد رکھ لیا ہوگا اور اب عین سالگرہ کے دن وہ ضرور مجھے سرپرائز دیں گے مگر وہاں تو وہی صبح میری لاپروائیوں پر ناراض ہوتے معمول کے انداز میں آفس روانگی ہوگئی تھی۔

کیسا میرا پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل چاہا تھا اگرچہ مما پاپا اور بہن بھائیوں کے تحائف مجھے بذریعہ کوریئر سروس دوپہر کے وقت مل گئے تھے، شام میں سب نے فون کر کے بھی وش کیا تھا مگر میرا دل پھر بھی خوش نہیں ہوا تھا۔ رات میں جب ان کی نگاہ مما پاپا کے بھیجے گئے تحائف پر پڑی تو انہیں میری سالگرہ یاد آئی تھی۔

''سوری بھئی! میں تمہیں وش کرنا بھول گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں سالگرہ وغیرہ کی خرافات کو مانتا ہی نہیں ہوں لیکن میرا خیال ہے تمہیں برتھ ڈے منانا اچھا لگتا ہے۔ اینی وے ہیپی برتھ ڈے...... ایسا کریں گے کل کہیں باہر ڈنر کر لیں گے اور پھر تم اپنی پسند کا کوئی گفٹ بھی خرید لینا۔''

اپنی طرف سے یہ میرے ساتھ بڑا غیر معمولی سلوک کیا تھا انہوں نے، مجھے باہر کھانا کھلانے لے جائیں گے اور شاپنگ بھی کرائیں گے۔ میرا دل جل بھن کر رہ گیا تھا، میں نے پھولے منہ سے گفٹ لینے سے انکار اور ڈنر کے لیے جانے سے معذرت کر لی تھی۔ بجائے شرمندہ ہونے کے الٹا وہ میرے ناراض ہونے پر ہنستے رہے تھے۔

پھر اگرچہ انہوں نے مجھے شاپنگ بھی کروائی تھی اور باہر کھانا بھی کھلایا تھا اور وقتی طور پر میں خوش بھی ہوگئی تھی مگر جب ساحرہ بھابھی نے اپنے کینڈل لائٹ ڈنر اور وائٹ گولڈ کی پلاٹینم سے سجی انگوٹھی کے بارے میں مجھے بتایا تو اپنی کم نصیبی پر مجھے بہت رونا آیا۔ کیسے وہ دونوں میاں بیوی نئے نویلے جوڑے کی طرح ساتھ پھرتے تھے۔ عدیل بھائی جیسے اسمارٹ بندے کو اس گوشت کے پہاڑ کو کہیں ساتھ لے جاتے شرمندگی بھی نہیں ہوتی تھی۔

ساحرہ بھابھی کی سسرال کراچی میں ہی تھی۔ وہ خوب لڑ جھگڑ کر وہاں سے شادی کے ایک سال بعد ہی الگ ہوگئی تھیں۔ خود تو خیر کبھی سسرال کی طرف پھٹکتی بھی نہیں تھیں لیکن عدیل بھائی کے بھی اپنے ماں باپ سے ملنے کے لیے جانے پر انہوں نے پابندی عائد کر رکھی تھی۔ ساس بے چاری بیٹے اور پوتیوں کی محبت سے مجبور ہو کر کبھی یہاں ملنے آ بھی جاتیں تو وہ انہیں منہ نہیں لگاتی تھیں۔ پھر کئی دنوں تک وہ عدیل بھائی سے بھی ناراض ناراض پھرا کرتی تھیں۔ میں دل ہی دل میں اس بات پر سخت حیران تھی۔ ایسا کون سا تعویذ انہوں نے عدیل بھائی کو گھول کر پلا دیا تھا جو وہ اس طرح ان کے اشاروں پر چلتے تھے۔

میرے دل میں کھد بد ہوتی تھی۔ دل چاہتا تھا ان سے راز کی یہ بات پوچھوں، آخر وہ کون سا نسخہ ہے جس کی مدد سے شوہر کو غلام بنایا جا سکتا ہے۔ پھر میرے پوچھے بغیر یہ عقدہ ایک روز خود انہوں نے ہی کھول دیا یہ بتا کر کہ ان کی امی کے ایک پیر صاحب ہیں، بہت پہنچے ہوئے اور ان پیر صاحب نے ہی انہیں پڑھی اور دم کی ہوئی چینی، نمک اور کالی مرچیں دی ہیں جن کو وہ عدیل بھائی کی چائے اور کھانے وغیرہ میں بڑے خفیہ طریقے

سے استعمال کرتی ہیں۔ اگر چہ یہ بات کسی کو بتانے والی نہیں تھی لیکن زیادہ بولنے کا نقصان یہی تو ہوتا ہے کہ بندہ بولتا پہلے ہے سوچتا بعد میں ہے۔

روانی میں بولتے بولتے اچانک انہیں اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا تو چہرے پر ہوائیاں اڑ گئیں۔ پھر اپنی جھینپ مٹانے کے لیے وہ کافی دیر تک اس بات کو اپنا مذاق قرار دینے کی کوشش کرتی رہیں لیکن خیر میں نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلیں، جھوٹ اور سچ میں فرق تو میں کر ہی سکتی تھی۔ تب میری سمجھ میں آیا تھا کہ عدیل بھائی کو کاٹھ کا الو انہوں نے کیسے بنایا ہے۔ بے ساختہ میرا دل چاہا کہ میں ان سے پیر صاحب کا پتا پوچھوں اور رازداری کا وعدہ لیتے ہوئے اپنے لیے بھی چینی، نمک اور کالی مرچیں منگواؤں لیکن میری اس خواہش کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ میری ماسٹرز کی ڈگری تھی جو مسلسل میرے اوپر تھوتھو کر رہی تھی۔ پھر یہی ہوا کہ میں ہار گئی، میری ڈگری جیت گئی۔ دل مسوستے ہوئے میں ان سے پیر صاحب کا پوچھے بغیر اٹھ گئی۔

میں نے اسامہ کو ساحرہ بھابھی کی باقی تمام باتیں سنسر کر کے صرف یہ بات بتائی کہ

''عدیل بھائی اپنی ساری تنخواہ لا کر بیوی کے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے ذاتی اخراجات کے لیے بھی بعد میں ساحرہ بھابھی ہی سے پیسے مانگتے ہیں۔''

تو وہ بہت دیر تک میری طرف دیکھ کر ہنستے رہے تھے۔ ہنسنے کا انداز ایسا تھا جیسے ایک معصوم سے بچے کی کسی طفلانہ بات پر کوئی بزرگ بے ساختہ ہنس پڑے۔ میں ان کے ہنسنے بلکہ اپنا مذاق اڑائے جانے پر چڑ گئی تھی۔

''اگر کوئی عورت یہ سمجھتی ہے کہ اسے اپنے شوہر کی تنخواہ اور تمام تر آمدنی بالکل ٹھیک پتا ہے تو پھر وہ یقیناً احمقوں کی جنت میں رہتی ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے عدیل بھائی اتنے سیدھے نہیں جتنے نظر آتے ہیں لیکن میں آپ کو بتاؤں باہر لوگوں کے ساتھ ڈیلنگ میں وہ جتنے بھی تیز ہوں گھر میں ساحرہ بھابھی کے آگے ان کی ایک نہیں چلتی۔ ساحرہ بھابھی کی مرضی کے بغیر وہ اپنے والدین تک سے نہیں ملتے۔''

میں نے جھنجلائے ہوئے انداز میں ان کی تردید کی تھی۔ لہجے میں بہت ساری حسرتیں اور اپنی تقدیر کی ستم ظریفی پر ماتم بھی شامل تھا۔ کاش میں ساحرہ بھابھی جتنی خوش نصیب ہوتی وہ تو واقعی اسم با مسمّٰی ہیں۔ بڑا سوچ سمجھ کر ان کے ماں باپ نے ان کا نام رکھا ہے۔



دوپہر میں نماز اور کھانے سے فارغ ہو کر بجائے سونے کے میں ساحرہ بھابھی کے گھر آ گئی تھی۔ بیل بجانے پر دروازہ فروا نے کھولا تھا۔

''السلام علیکم امیمہ آپی۔'' اس نے گرم جوشی سے مجھے سلام کرتے ہوئے اندر آنے کے لیے راستہ دیا تھا۔

شروع شروع میں فروا اور مریم مجھے آنٹی اور اسامہ کو انکل کہہ کر پکارا کرتی تھیں۔ ویسے تو خیر مجھے چھوٹا بننے کا کوئی شوق نہیں ہے لیکن جب ان کی اماں میرے برابر کی بلکہ مجھ سے بھی چھوٹا بننے کی کوشش کرتی ہیں تو میں کیوں مروت برتوں، میں نے ایک دو دفعہ کے بعد ہی انہیں آنٹی کہنے پر ٹوک دیا تھا اور خود ہی آپی کہنے کی تجویز انہیں دی تھی جو ان دونوں نے مان بھی لی تھی۔ اسامہ کو البتہ اپنے انکل کہلائے جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا لہٰذا وہ اب بھی انکل ہی کہلائے جاتے تھے۔

''ماما نہا رہی ہیں۔'' مجھے لاؤنج میں لا کر بٹھاتے ہوئے فروا نے بتایا تھا۔

مریم بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں میری آمد سے قبل یقیناً ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھیں۔ میں نے ساحرہ بھابھی کا انتظار کرتے ہوئے وقت گزاری کے لیے ان کے ساتھ ٹی وی دیکھنا شروع کر دیا۔ کیبل والے نے اپنے چینل پر ریتھک کی ''کہو ناں پیار ہے'' لگائی ہوئی تھی۔ فلم میں ان دونوں کی دلچسپی قابلِ دید تھی۔

''امیمہ آپی! یہ مریم ہے ناں اس نے ''کہو ناں پیار ہے'' پوری پندرہ بار دیکھی ہے۔ آپ کہیں سے بھی کوئی ڈائیلاگ بول کر دیکھ لیں یہ آگے کے ڈائیلاگز فوراً سنانا شروع ہو جائے گی۔'' فروا نے بہن صاحبہ کی ''قابلیت'' کی مجھ پر دھاک بٹھانے کی کوشش کی۔

ماں ''ماما'' کی اسکولنگ پر اتراتے نہیں تھکتیں اور بچیوں کا حال دیکھو۔'' میں نے دل میں سوچا تھا۔

''میری سب فرینڈز کو ریتھک بہت پسند ہے اور میری ایک فرینڈ کو تو وہ اتنا پسند ہے کہ جب اس نے سوزانے سے شادی کی تو مارے غم کے وہ تین دن تک اسکول ہی نہیں آئی۔'' مریم نے بڑے مزے سے مجھے بتایا تھا۔

''واقعی یہ پکی ماں کی پکی اولاد ہے۔ سچ ہی تو کہتے ہیں لوگ، جیسی ماں ویسی بیٹی، آگے جا کر خوب اماں کا نام روشن کریں گی صاحبزادیاں۔''

میں ان کے پکے پن پر انگشت بدنداں بیٹھی تھی۔ جب تک ساحرہ بھابھی کی آمد نہیں ہوئی، میں حیرت سے ان دونوں سے ریتھک کی تمام فلموں اور اینٹی سوزانے ویب سائٹ'' کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔

ساحرہ بھابھی حسبِ معمول بڑی خوشی اور گرم جوشی سے مجھ سے ملی تھیں۔ مزید جب میں نے ان کے ہاتھوں کے بنائے دہی بڑوں کی تعریف کی جو انہوں نے کل مریم کے ہاتھ میرے گھر بھجوائے تھے تو وہ اور بھی خوش ہو گئیں۔ اپنی تعریفیں سننے کا تو انہیں از حد شوق تھا۔ ہم دونوں ہی جب کوئی خاص ڈش بناتے تو ایک دوسرے کے گھر ضرور بھیجتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کوکنگ واقعی بہت اچھی کرتی تھیں۔ ماش کی دال کے دہی بڑے بنانا تو میں ایک عرصے سے سیکھنا چاہ رہی تھی مگر کوئی سکھانے والا ہی نہیں مل رہا تھا۔ کھانا میرے میکے میں بھی بہت اچھا اور خوش ذائقہ پکتا تھا، کھانے پینے کے وہاں سب شوقین ہیں لیکن ہمارے گھر میں دہی بڑے کبھی نہیں بنے۔ دہی پھلکیوں کو ہی دہی بڑوں کا نام دے دیا جاتا تھا۔ سسرال میں آئی تو ساس کے پکائے کھانوں کی سارے زمانے میں واہ واہ تھی۔ میں نے شاہی ٹکڑے اور ماش کی دال کے دہی بڑے ان سے سیکھنا چاہے تو انہوں نے کہا۔

''ابھی نئی نئی دلہن ہو، ابھی میرے ہاتھ کا پکا ہوا ہی کھا لو، سیکھنے کے لیے تو عمر پڑی ہے۔'' کہہ کر ایک طرح مجھے ٹال دیا۔ صاف ظاہر تھا وہ مجھے سکھانا ہی نہیں چاہتی تھیں۔ اپنے گن مجھے سکھا دیے تو پھر بیٹے کو قابو کس ہتھیار سے کریں گی۔ یہاں اسامہ کو سارا وقت ممی کے ہاتھوں کے کھانے ہی تو یاد آیا کرتے تھے۔ میں کتنا بھی جان مار کر پکا لوں مجال ہے جو منہ سے ایک تعریفی جملہ نکل جائے۔ خود سے ہمت کر کے پوچھ لوں تو ''ہاں ٹھیک پکا ہے'' کہہ کر میرا دل توڑ دیا جاتا ہے، کبھی کبھی تو بغیر لحاظ کے میرے منہ پر کھانے کی خامیاں بھی بتا دی جاتی ہیں۔

پرسوں میں نے ان کی فرمائش پر جھینگوں کی بریانی پکائی۔ بڑی مشکلوں سے خوب محنت کر کے اور کئی گھنٹے کچن میں برباد کر کے۔ اور حاصل کیا ہوا؟ دو نوالے لے کر ہی انہوں نے پلیٹ پیچھے ہٹا دی۔

''اس میں ہیک آ رہی ہے۔'' اتنا سا بھی انہوں نے میرے دل ٹوٹنے کی پرواہ نہیں کی۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ ڈش میں نے پہلی مرتبہ بنائی ہے اور پہلی غلطی تو قابلِ معافی ہوتی ہے بلکہ رات میں سونے سے پہلے مجھے نصیحت کی گئی کہ اب کی بار جب میں اسلام آباد جاؤں تو ممی سے کھانا پکانا سیکھوں، جس عورت کو ڈھنگ کا کھانا پکانا نہ آتا ہو اسے چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیے۔ صرف ایک بریانی صحیح نہ پکنے پر انہوں نے مجھے کھری کھری سنائی تھیں حالانکہ کوکنگ میں اچھی خاصی کیا کرتی تھی۔ غلطی تو بڑے سے بڑے باورچی سے بھی ہو سکتی ہے میں تو پھر ایک معصوم سی ناتجربہ کار لڑکی ہوں۔ نئی نئی اس جہنم میں جھونکی گئی ہوں۔ ان کے اتنے طویل لیکچر اور مزید ممی کے ہاتھوں کی پکی جھینگوں کی بریانی کا قصیدہ سن کر میرا موڈ مزید آف ہو گیا تھا۔

میری جگہ ہوتی کوئی منہ پھٹ لڑکی تو کہتی کہ ''ویسے تو آپ کی ممی بڑا اللہ اللہ کرتی رہتی ہیں، تہجد، اشراق، اور چاشت، جب دیکھو مصلّٰہ بچھائے بیٹھی ہیں اور انہیں مذہب کی اتنی بنیادی معلومات بھی نہیں کہ جھینگا مکروہ ہے اور اس بات پر تمام Marine Scientist اور تمام علمائے کرام متفق ہیں کہ جھینگے مچھلیوں کے اس گروپ سے تعلق نہیں رکھتے جو کھانی حلال ہیں۔ اصولاً تو آپ کے مذہبی گھرانے میں اتنی دین دار ممی کے ہوتے ہوئے ایک مکروہ چیز پکنی ہی نہیں چاہیے اور مجھے جو جھینگے پکانے نہیں آئے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے گھر میں گو مذہب کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا جاتا لیکن کوئی مکروہ چیز بھی نہیں پکتی۔

کاش میں ان سے یہ بات کہہ سکتی لیکن اگر کہہ بھی دیتی تو فائدہ کیا تھا۔ سچ سننا اور برداشت کرنا کون سا آسان کام ہے۔ میرے اس سچ اور وہ بھی کڑوے سچ پر تو انہیں ضرور ہی مرچیں لگتیں۔ ساحرہ بھابھی سے میں اکثر باتوں باتوں میں کوئی نہ کوئی ترکیب پوچھ لیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی اس لیے آئی تھی ذرا ایک بار مجھے دہی بڑے بنانے آ جائیں تو اسامہ حیران رہ جائیں گے۔ ان کی ممی سے بھی زیادہ مزیدار دہی بڑے میں انہیں بنا کر کھلاؤں گی۔

میں تعریفیں کر کے ساحرہ بھابھی کو چڑھایا تو وہ ذرا سا ٹال مٹول کے بعد مجھے ترکیب بتانے پر آمادہ ہو ہی گئیں۔ ترکیب بتا کر کون سا وہ میرے اوپر کوئی احسان کر رہی تھیں۔ اس سے پہلے میں نے انہیں خوبانی کا میٹھا اچار گوشت کی ترکیب بھی تو بتائی تھی۔ اگر وہ مجھے ترکیبیں بتا دیتی ہیں تو میں بھی ان کے استفسار پر کوئی ترکیب ان سے چھپاتی نہیں ہوں۔

جلدی جلدی ترکیب نوٹ کرتے ہوئے مجھے کچھ شک سا ہوا کہ شاید ساحرہ بھابھی کچھ پریشان ہیں۔ بظاہر وہ معمول کے انداز میں ہنس رہی تھیں، باتیں کر رہی تھیں مگر پھر بھی مجھے وہ کچھ الجھی ہوئی نظر آئیں اور تو اور آج دوران گفتگو انہوں نے کسی بات پر ''میں اتنے بڑے آفیسر کی بیوی ہوں۔ لندن میں پیدا ہوئی تھی میں، میری اسکولنگ وہیں ہوئی تھی۔ فروا کی ''ماما'' میں جو انگلش کی ٹیچر ہیں وہ بھی میری انگلش سے امپریس نظر آتی ہیں۔'' قسم کا کوئی جملہ نہیں کہا تھا اور یہ بات خاصی تشویش ناک تھی یوں بے دھڑک پوچھنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے سرسری سے لہجے

میں ان کی طبیعت وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنے بالکل ٹھیک ٹھاک اور تندرست ہونے کا یقین دلایا۔

میں مزید اصرار کر نہیں سکتی تھی اسی لیے چائے پی کر اور ترکیب نوٹ کر کے واپس اپنے گھر آ گئی۔

میں بڑی آس بھری نگاہوں سے اسامہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اب وہ کوئی تعریفی جملہ کہیں گے، زیادہ نہ سہی کم از کم یہی کہہ دیں گے۔

''امیمہ! آج تم نے کھانا بہت اچھا پکایا ہے۔''

اس سے زیادہ تعریف کی تو میں نے کوئی امید رکھی ہوئی بھی نہیں تھی۔ وہ ان مردوں میں سے ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ زیادہ تعریفیں اور ستائشی کلمات بیویوں کا دماغ خراب کر دیتے ہیں لہذا بیوی کو اس کی اوقات میں رکھنے کے لیے کم سے کم تعریف اور زیادہ سے زیادہ تنقید کرنی چاہیے لیکن پھر بھی ایسے حوصلہ شکن رویے کی توقع بھی نہیں تھی مجھے۔ آج تو میں نے اپنی طرف سے محنت کرنے اور ان کی پسند کے کھانے بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ چکن جلفریزی، یخنی پلاؤ، ماش کی دال کے دہی بڑے، ان کی فیورٹ اولیو (Olive) آئل اور سرکہ والی مزیدار سلاد اور میٹھے ٹرائفل۔

دوپہر میں ساحرہ بھابھی سے ترکیب پوچھ کر آنے کے بعد پھر میں نے سارا وقت کچن میں گزارا تھا۔ پرسوں رات جو انہوں نے مجھے 'چلو بھر پانی' والا طعنہ دیا تھا وہ میں کسی طور بھول نہیں پا رہی تھی۔ سخت غصہ اور طیش تھا مجھے اس طعنے پر اور اب جب تک میں اس پھوہڑپن کے الزام سے بری نہ کر دی جاؤں مجھے سکون نہیں مل سکتا تھا مگر وہ تو اتنے معمول کے انداز میں کھانا کھا رہے تھے جیسے آج ٹیبل پر انہیں کوئی غیر معمولی انتظام اور اہتمام نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

''آپ یہ پلاؤ لیں ناں، بہت اچھا بنا ہے۔''

میں نے بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود ہی تعریف کا فریضہ انجام دے کر پلاؤ کی ڈش ان کی طرف بڑھائی تھی۔ شاید میرے الفاظ پر ان کو تعریف کرنا یاد آ جائے، جبکہ پلاؤ تو واقعی پکا بھی بہت عمدہ تھا۔ ان کی انتہائی سخت قسم کی نقاد اور عیب نکالنے میں ماہر اماں بھی اس میں کوئی برائی نکال نہیں پائیں گی۔ چاول کیسے بکھرے بکھرے پکے ہیں، ایک ایک دانہ الگ ہے، نہ زیادہ نرم ہوئے ہیں نہ کچھ کسر رہی ہے اور خوشبو کیا عمدہ آ رہی ہے، سونف اور دھنیا بالکل صحیح مقدار میں ڈالے ہیں میں نے۔

میرے کہنے پر انہوں نے تھوڑے سے چاول اپنی پلیٹ میں ڈال لیے تھے اور اسی خاموشی اور سنجیدگی سے کھانے لگے تھے۔ مجھے رونا آنے لگا اس بے حسی پر۔ شاید میرے چہرے پر بھی کچھ اسی قسم کے تاثرات نظر آنے لگے تھے تب ہی وہ میری طرف دیکھ کر مبہم سا مسکرائے تھے۔

''لگتا ہے آج سارا دن کچن میں گزار دیا ہے۔''

''اتنی ساری چیزیں بنانے میں مجھے سارا دن نہیں لگتا، دو گھنٹے میں تیار کر لی تھیں میں نے یہ تمام ڈشز۔''

ان کی زچ کرتی مسکراہٹ کو نظر انداز کر کے میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے اپنے سگھڑاپے کے ساتھ ساتھ اپنی پھرتی اور تیزی بھی ان کے سامنے اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ وہ بغیر کوئی جواب دیئے شرارتی سے انداز میں مسکراتے رہے تھے۔ خوش ہی ہو رہے ہوں گے کہ بیوی کو پوری طرح قابو کر کے رکھا ہوا ہے، اشاروں پر ناچتی ہے۔ ذرا سا پھوہڑپن کا طعنہ دیا تو کمر کس کر مزید محنت اور جان مارنے کو تیار ہو گئی۔

کھانے کے بعد وہ کمرے میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگے تھے جب کہ میں برتن دھونے کے بعد ان کے لیے بلیک کافی بنا رہی تھی۔ کپ کے نیچے ساسر رکھتے مجھے ان کی باتوں کی آواز آئی۔ وہ کسی سے فون پر باتیں کر رہے تھے اور یہ ''کسی'' کون ہوگا یہ بات میں فون پر ہونے والی گفتگو سنے بغیر بھی جانتی تھی۔ روز رات میں اماں سے لوری سنے بغیر نیند تھوڑی آتی ہے موصوف کو۔ میں کپ لے کر کمرے میں آئی تو ممی کی کسی بات کے جواب میں کہہ رہے تھے۔

''اف ممی! آپ کے ہاتھوں کی پکی نہاری کا سن کر تو میرے منہ میں پانی آ گیا ہے، دل چاہ رہا ہے کسی بھی طرح فوراً اسلام آباد پہنچ جاؤں، آپ کے ہاتھوں کا مزہ تو ساری دنیا میں مجھے کہیں نہیں مل سکتا۔''

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ یہاں ہم خدمت کر کر کے ادھ موئے ہوئے جا رہے ہیں اور ایک تعریفی جملہ نہیں اور وہاں کوسوں دور بیٹھی ممی کے قصیدے زور و شور سے پڑھے جا رہے ہیں۔ ایسا سلوک تو کوئی اپنے گھر کی ملازمہ سے بھی نہیں کرتا ہوگا۔ میں نے اپنا سارا غصہ کپ سائڈ ٹیبل پر پٹخ کر نکالا تھا۔ اتنے زور سے کپ پٹخا تھا کہ وہ بے ساختہ چونک گئے تھے۔ ایک نظر مجھے دیکھ کر انہوں نے ایک نظر کپ پر ڈالی تھی۔ زور سے پٹخے جانے کی وجہ سے تھوڑی سی کافی ساسر میں بھی چھلک گئی تھی۔

وہ چائے، کافی سب بہت تیز گرم پیتے ہیں اسی لیے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔ ساتھ ہی ممی سے اظہارِ عشق بھی زور و شور سے جاری تھا۔ بے کار میں دل جلانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ دادی کہا کرتی تھیں کہ غصہ آئے تو فوراً وضو کر لیا کرو، میں یہی بات یاد کرتی وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی تھی۔



میرا کسی بات پر موڈ آف ہو جائے تو پھر اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہوتا اس لیے اگلا پورا دن اسی آف موڈ کے ساتھ گزارا تھا۔ اپنے غم میں لگ کر مجھے ساحرہ بھابھی کا الجھا الجھا اور پژمردہ انداز بھی بھول گیا تھا۔ میں پاس کے سپر اسٹور سے گھر کی کچھ چیزیں خرید کر واپس آ رہی تھی جب لفٹ کی طرف آتے ساحرہ بھابھی سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ ان کی ملازمہ مہناز بھی تھی جسے صبح سے رات تک کے لیے انہوں نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ اچھی صاف ستھری اور خوبصورت سی لڑکی تھی ایسی کہ اس سے کھانا وغیرہ پکواتے ہوئے بالکل بھی گھن نہیں آتی تھی بلکہ پہلی مرتبہ ان کے گھر میں اسے کام کرتے دیکھ کر میں کام کرنے والی کی بجائے ان کی کوئی رشتہ دار سمجھی تھی۔ اس کی بول چال، لباس سب بہت عمدہ اور شہری رکھ رکھاؤ والے تھے۔ وہ مہناز کے ساتھ یقیناً سبزی وغیرہ ہی خریدنے گئی ہوں گی۔ ہم عورتوں کی زندگی اس روٹی سالن اور چکی چولہے سے باہر نکلتی ہی کب ہے۔ سوچتے ہوئے میں نے ایک سرد آہ بھری تھی۔

لفٹ میں ہم تینوں ساتھ ہی تھے۔ وہ خلافِ عادت بالکل خاموش تھیں۔ میری باتوں کا بھی بڑے پھیکے پھیکے سے انداز میں جواب دے رہی تھیں۔ میں نے غور سے ان کی طرف دیکھا تو وہ مجھے کچھ روئی روئی سی نظر آئیں۔ ایسا لگ رہا تھا وہ گھنٹوں روتی رہی ہیں، میرا ہمدرد اور سدا کا نرم و مہربان دل تڑپ اٹھا تھا۔

گھر آ کر سامان اندر رکھ کر اور دروازہ واپس لاک کر کے میں نے ان کی بیل بجائی تھی۔ دروازہ انہوں نے ہی کھولا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ زبردستی مسکرائی تھیں ورنہ ایسا لگ رہا تھا کہ میرا آنا پسند نہیں آیا۔ مہناز کچن میں سبزی بنانے میں مصروف تھی۔ بچیاں یقیناً اس وقت اسکول گئی ہوئی ہوں گی۔ مجھے لے کر وہ اپنے بیڈ روم میں ہی آ گئی تھیں۔ ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی تو بہر حال تھی اکثر وہ مجھے ڈرائنگ روم یا لاؤنج کے بجائے اپنے کمرے میں بٹھا لیا کرتی تھیں۔

''آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں بھابھی! پرسوں بھی میں نے یہ بات نوٹ کی تھی لیکن پوچھا قصداً نہیں تھا کہ کہیں آپ میری بے تکلفی کا برا نہ مان جائیں لیکن آج تو آپ پرسوں سے بھی زیادہ ڈپریسڈ لگ رہی ہیں، پلیز مجھے بتائیں کیا ہوا ہے؟''

مدر ٹریسا، عبدالستار ایدھی اور بلقیس ایدھی تو ہمیشہ سے میری فیوریٹ شخصیات رہی ہیں سو اس وقت میں انہیں کی جانشین بن بیٹھی تھی۔ میرے ہمدردانہ انداز میں ان کے کندھے پر ہاتھ رکھنے کی دیر تھی کہ وہ بلک بلک کر رونا شروع ہو گئیں۔ میں ان کے رونے پر پریشان ہو گئی تھی۔

''کیا بات ہو گئی ہے بھابھی! آپ پلیز اس طرح روئیں تو مت۔''

میں خود رو پڑنے کے قریب تھی۔ ہمدردی اور محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ انہوں نے اپنا بھاری بھرکم سر میرے نازک سے کندھے پر لٹکا دیا تھا اور میرا درد سے برا حال تھا۔

''کیا بتاؤں تمہیں امیمہ! میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔''

درد و غم اور کرب و بلا میں مبتلا انہوں نے مجھے میرے نام سے اور ''تم'' کر کے مخاطب کیا تھا۔ دکھ میں شاید انسان کے منہ سے سچ نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ غالباً اللہ یاد آنے لگتا ہے اس لیے میں ان کے بالآخر مجھے اپنے سے چھوٹا تسلیم کر لیے جانے پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ اسی خوشی میں ان کے Humpty dumpty جیسے وجود کا بوجھ (جو اس وقت میرے اوپر پڑا ہوا تھا) بھی خوشی خوشی برداشت کر رہی تھی۔

''عدیل مجھے اس طرح دھوکا دیں گے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

آج تو کایا پلٹ کا دن تھا۔ یہ، وہ، ان اور فروا کے پاپا کی جگہ عدیل بھائی کو عدیل کہا جا رہا تھا اور اس نام لینے میں مٹھاس یا محبت نہیں بلکہ غصہ اور غم بھرا ہوا تھا۔

''آپ آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھ جائیں بھابھی۔!''

آخر میں یہ بوجھ کب تک برداشت کرتی۔ چنانچہ بڑی محبت سے ان کی کمر کے پیچھے گاؤ تکیہ لگا کر ان کا بوجھ خود پر سے ہٹا کر گاؤ تکیہ کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ وہ میرے کہنے پر اسی طرح زور و شور سے روتی ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھیں۔ میرا تجسس کے مارے برا حال تھا لیکن زیادہ کریدنے اور ایکسائیٹمنٹ کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کہیں گی میں اتنے غم میں مبتلا ہوں اور یہ اتنی ایکسائیٹڈ ہو رہی ہے۔ عدیل بھائی جیسے بے دام کے غلام نے آخر ایسا کیا کر دیا جو وہ یوں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہیں۔

میں نے محبت اور اپنائیت کے اظہار کے طور پر فریج میں سے ان کے لیے پانی نکالا اور پھر خود اپنے ہاتھ سے اصرار کر کے انہیں پانی پلایا۔

دو گھونٹ لے کر ہی انہوں نے میرا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا تھا۔

''میری ممی کہا کرتی تھیں کہ مرد ذات بڑی خبیث ذات ہے۔ ساری زندگی اس کے ساتھ گزار دو، خدمت اور وفاداری میں خود کو مٹا لو لیکن پھر بھی موقع ملنے پر یہ دھوکا دینے سے چوکے گا نہیں۔ تب میں ان کی یہ بات مانا نہیں کرتی تھی لیکن آج یقین آرہا ہے کہ ممی کی بات بالکل سچ تھی۔ کبھی نہ کبھی عمر کے کسی نہ کسی حصے میں جا کر یہ دھوکا ضرور دیتے ہیں، بے وفائی ضرور کرتے ہیں۔ کہنے والے سچ کہتے ہیں کہ مرد بیوی کا کبھی نہیں ہوتا، بیوی سے نہ محبت ہوتی ہے نہ انسیت، نہ خدمتوں اور وفاداریوں کا پاس ہوتا ہے۔ مرد یا اپنی ماں کا ہوتا ہے یا بیٹی کا۔ بس عورت کے صرف ان دو رشتوں کے ساتھ وہ وفادار اور مخلص ہوتا ہے۔ بیوی کی تو یہ اوقات ہے کہ دل بھر گیا اور جیب نے اجازت دی تو دوسری لے آئے۔''

وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے استہزائیہ انداز میں بولیں عدیل بھائی اور کسی عورت کا چکر، میرا دل نہیں مان رہا تھا اس کو۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے انہیں ساحرہ بھابھی کے آگے پیچھے پھرتے اور والہانہ چاہت لٹاتے دیکھا تھا اور پھر پیر صاحب کی پڑھ کر دی ہوئی چینی وغیرہ اتنی بے اثر تو نہیں ہو سکتی تھی۔

''شک تو مجھے پچھلے کئی مہینوں سے تھا، تمہیں پتا ہے امیمہ! اللہ نے عورت کے دل میں ایک بڑا احساس آلہ فٹ کر رکھا ہے۔ شوہر کوئی گڑبڑ یا بے ایمانی کر رہا ہو تو بیوی کے دل کو فوراً خبر ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی میرے دل نے یہ خبر دی تھی لیکن میں نے اپنے دل کی اس اطلاع پر الٹا اسی کو ڈانٹ ڈپٹ دیا تھا۔ میرا اندھا یقین ہی مجھے لے ڈوبا، اپنے شک اور وہم کو گہری نیند سلا کر میں بڑے مزے میں تھی۔ بظاہر کوئی گڑبڑ تھی بھی نہیں، ان کا رویہ میرے اور بچیوں کے ساتھ بالکل ویسا ہی تھا جیسا ہمیشہ ہوا کرتا ہے بلکہ اسے سے بھی کچھ زیادہ ہی اچھا۔ وہی ہم لوگوں کو آؤٹنگ پر لے جانا، ہر دوسرے تیسرے دن باہر کھانا کھلانا، شاپنگ کروانا، سب کچھ بہت اچھا تھا۔ ان کے کسی انداز سے میں کوئی شک کر ہی نہیں سکتی تھی۔ ایسے میں اپنے دل میں ابھرتے وہم کو میں نے ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی یہاں تک کہ انہوں نے گھر لنچ بھجوائے جانے سے منع کیا تو میں اسے بھی ان کی محبت اور اپنا خیال رکھا جانا ہی سمجھی۔ کہا بھی انہوں نے مجھ سے یہی تھا کہ ''اب ڈرائیور کو لنچ لینے کے لیے گھر نہیں بھیجا کروں گا، تم پر ویسے ہی گھر کے اتنے کاموں کا بوجھ ہے، آفس میں ہی کہیں باہر سے منگوا کر لنچ کر لیا کروں گا۔''

میں ایسی پاگل اور بے وقوف لڑکی کہ ان کی چالاکی سمجھی ہی نہیں، لنچ تو روز انہیں اس ''ڈائن'' کے ساتھ کسی اچھی سی جگہ پر کرنا ہوتا ہے۔ ایسے میں میرے محبت سے پکا کر بھیجے گئے کھانے کی ضرورت کسے ہے۔''

وہ پھر رونا شروع ہو گئی تھیں۔ میں نے ان کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔ کیا پیر صاحب اور ان کے تعویذ گنڈوں کے باوجود عدیل بھائی کی زندگی میں واقعی ایک عدد ''ڈائن'' آ چکی تھی۔

''دو چار دفعہ لنچ ٹائم میں آفس فون کرنے پر ان کی سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ سر لنچ کرنے باہر گئے ہوئے ہیں۔ میں نے زیادہ کرید اتو پتا چلا وہ ''چڑیل''، جس کے ساتھ آج کل روزانہ پابندی سے لنچ ہو رہا ہے وہ بھی کسی نہ کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر وہ ان کے آفس میں نئی اپوائنٹ ہوئی ہے۔ عدیل ہی کے انڈر کام کر رہی ہے۔ بالکل فریش ایم بی اے کر کے آئی ہے اور انہیں دیکھو اپنی ایک ماتحت جو بالکل جونیئر ہے اسے

سارے شہر میں لے کر گھومتے پھر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ مجھے تو کبھی پتا ہی نہیں چلے گا۔ میں تو جیسے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھی ہوں، ان کی چکنی چپڑی محبت بھری باتوں میں کھوئی رہوں گی۔ ایسی احمق بھی نہیں ہوں میں اور کل تو میں نے خود ان دونوں کو میک ڈونلڈ میں ساتھ بیٹھے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔''

ان کی اس بات پر میرا فطری تجسس پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔

''کیسی ہے وہ؟ کیا بہت حسین ہے اور انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ کر آپ نے ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

میرے پوچھنے پر وہ نفرت حقارت سے گویا ہوئیں۔

''حسین اور خوبصورت کیا، خالی ادائیں ہی ادائیں ہیں اور جوانی میں تو گدھی پر بھی بہار آ جاتی ہے۔''

وہ اب دوپٹے سے اپنا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ خشک کر رہی تھیں پھر جیسے کچھ یاد آ جانے پر خود ہی دوبارہ بولنا شروع ہو گئیں۔

''تمہیں تو پتا ہے معروف ڈیزائنر کے ڈریسز کے علاوہ کوئی کپڑے پہننا مجھے پسند نہیں۔ آواری کراچی اور لاہور کے مشہور ڈریس ڈیزائنرز کی سردیوں کے ڈیزائن کیے گئے ملبوسات کی نمائش لگی تھی۔ میں فروا اور مریم کو لے کر کل وہیں گئی تھی۔ زیادہ نہیں بس ایک ہی سوٹ خریدا میں نے پندرہ ہزار کا۔ واپسی میں فروا اور مریم پیچھے لگ گئیں کہ ہمیں میک ڈونلڈ لے چلیں۔ انہیں ہی لے کر گئی تھی وہاں۔ ابھی ہم لوگ اندر بھی نہیں گھسے تھے کہ سامنے کی میز پر عدیل اور وہ حرافہ آمنے سامنے بیٹھے نظر آئے۔ کیا پیار بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جا رہا تھا۔ بچیوں کے سامنے اور وہ بھی کسی پبلک پلیس پر کیا سین کری ایٹ کرتی اسی لیے انہیں بہلا پھسلا کر خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔ عشق کی پینگیں بڑھاتے انہوں نے تو میری طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔''

اتنی مصیبت اور غم میں ہونے کے باوجود وہ مجھے سوٹ کی قیمت بتانا نہیں بھولی تھیں۔

''رسی جل گئی پر بل نہیں گئے۔'' میں نے دل میں سوچا تھا۔ اگرچہ کہ اس وقت مجھے ان سے بہت ہمدردی ہو رہی تھی، دل بھر کر ان پر ترس آ رہا تھا لیکن یہ اوچھا پن ہمیشہ کی طرح مجھے زہر ہی لگا تھا۔ وہ میرے تاثرات سے بے خبر بولنے میں مصروف تھیں۔

''کل تو انہیں آفس کے کام سے ارجنٹ فیصل آباد جانا پڑ گیا، آج شام میں واپس آئیں گے۔ اب پتا نہیں یہ آفس کا کام تھا بھی یا نہیں۔ میرا تو اعتبار ہی ختم ہو گیا ہے۔ بہر حال جو بھی ہے آج ذرا یہ حضرت آئیں تو سہی۔ ایسی کمزور بھی نہیں ہوں میں۔ آخر مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔ میری آنکھوں میں دھول جھونکیں گے اور میں خاموش تماشائی بنی رہوں گی۔''

وہ عدیل بھائی کا حشر نشر کرنے کو تلی بیٹھی تھیں۔ میں بے ساختہ انہیں اس کارروائی سے روکنے سے خود کو روک نہیں پائی تھی۔

''آپ ایسا کچھ مت کیجئے گا بھابی! ابھی تو وہ اس خیال میں ہیں کہ آپ کو کچھ پتا ہی نہیں، ساری بات کھل گئی تو یہ لحاظ اور مروت بھی ختم ہو جائے گا۔ پھر تو وہ اور بھی کھل کر اور ڈھٹائی سے ''اس'' سے ملا کریں گے۔ آپ کیا انہیں ایسا کرنے سے روک سکتی ہیں۔ ہم عورتوں کے اختیار میں ہے ہی کیا۔ بس صرف یہ آنسو جو ہم موقع بے موقع کثرت سے بہاتے ہیں۔ آپ خاموشی اور بردباری سے معاملے کو ہینڈل کرنے کی کوشش کریں۔''

میرا مخلصانہ انداز میں دیا گیا مشورہ انہیں بہت پسند آیا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو امیمہ! غصے سے کام بگڑتے ہیں۔ شکر ہے تم آ گئیں ورنہ آج تو میں فیصلہ کیے بیٹھی تھی کہ عدیل کو چھوڑوں گی نہیں۔ تھینک یو امیمہ! تم واقعی میرے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آ گئیں۔ صحیح کہہ رہی ہو تم، مجھے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ جلد بازی اور جذباتی ہونے سے نقصان میرا ہی ہوگا۔''

وہ میرے ہاتھ تھام کر تشکرانہ انداز میں بولی تھیں۔



''عدیل بھائی آج کل کسی لڑکی کے چکر میں ہیں۔''

میں نے ٹی وی دیکھتے اسامہ کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ ایک تو خیر میں پیٹ کی ویسے ہی بہت ہلکی ہوں دوسرے اس وقت تو میں کسی نہ کسی طرح ان کی توجہ ٹی وی اسکرین پر سے ہٹالینا چاہتی تھی۔ وہ ESPN پر ٹینس کا خدا معلوم کون سا ٹورنامنٹ دیکھ رہے تھے۔ اسپورٹس میں انہیں بے تحاشا دلچسپی ہے میں جانتی ہوں اور ٹینس میں تو خاص طور پر دلچسپی ہے۔ بات یہیں تک ہوتی تو غنیمت تھا لیکن اس دلچسپی کی اصل وجہ تو اینا کورنیکوا ہے، جانتے ہی ہوں گے آپ لوگ اسے۔ آج کل ساری دنیا کے مردوں کے دلوں کی دھڑکن بنی ہوئی ہے کم بخت، پچھلے دنوں اسے ایک اعزاز سے بھی نوازا گیا ہے اور وہ اعزاز اور ایوارڈ ایسا ہے کہ ہمارے ہاں کی کسی خاتون کو دیا جائے تو وہ اعزاز دینے والے کی جوتوں سے تواضع کرے گی۔ اب اگر اس اعزاز کے بارے میں زیادہ تفصیل آپ کو نہیں معلوم تو کسی باخبر بندے سے معلوم کرلیں۔ میں تو بھئی سچی بات ہے شرمیلی بہت ہوں، ایسی بات بتاتے مجھے شرم آرہی ہے۔ اسامہ کی تو فیوریٹ ہے اینا کورنیکوا۔ مجال ہے جو اس کا کوئی میچ مس کردیں یہاں تک کہ کسی اسپورٹس چینل پر اس کا کوئی پرانا میچ بھی آرہا ہو تو اتنی دلچسپی سے دیکھیں گے، کھیل کو نہیں اینا کورنیکوا کو۔ اور یہ بات میں کس طرح برداشت کرسکتی ہوں۔ جب بھی اسامہ ٹی وی پر اسے دیکھنے بیٹھتے ہیں میں بھی پاس آکر بیٹھ جاتی ہوں، کبھی انہیں باتوں میں لگانے کی کوشش کرتی ہوں یا کبھی ''اس وقت تو فلاں چینل پر میرا فلاں پسندیدہ ڈرامہ آرہا ہوگا'' کہہ کر چینل بدل دیتی ہوں۔

اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورت حال تھی۔ وہ سنہری زلفوں والی روسی حسینہ مسلسل میرا بی پی بڑھا رہی تھی اور میں میاں کی توجہ اپنی طرف کرنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

''آپ سن نہیں رہے میری بات۔ میں آپ کو عدیل بھائی کے بارے میں بتا رہی ہوں، کسی لڑکی سے عشق فرما رہے ہیں موصوف۔'' میں نے دوبارہ انہیں مخاطب کیا تھا۔

''سن لیا ہے میں نے۔'' انہوں نے ٹی وی پر سے نظریں ہٹائے بغیر مجھے جواب دیا تھا۔

''اور اگر کسی لڑکی سے اسے عشق یا محبت قسم کی کوئی چیز ہو گئی ہے تو اس میں اتنا حیران ہونے یا برا ماننے کی کیا بات ہے، وہ بھی انسان ہے۔ آخر کب تک اپنی موٹی بیگم کے گن گاتا رہے۔ میں تو پہلے بھی اس کے حوصلے اور ہمت پر حیران ہوا کرتا تھا۔ اتنا ہینڈسم اور اسمارٹ بندہ کب

تک اپنے وزن سے بھی وزنی بیوی کے نخرے اٹھا سکتا ہے۔ میں اس کی جگہ ہوتا اور میری بیوی اتنی موٹی ہوتی تو میں تو پہلی فرصت میں خاتون کو ہاتھ پکڑ کر باہر نکالتا اور ایک خوبصورت، دبلی پتلی اور نازک سی لڑکی کو بیاہ کر لے آتا۔"

وہ ہنوز اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے بولے تھے اور میرا سکون اور اطمینان غارت ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے اگر کبھی میں موٹی ہو گئی تو مجھے چھوڑ کر آپ دوسری شادی کر لیں گے۔" میرا رنج اور صدمے سے برا حال تھا۔

"بالکل......" وہ قابلِ رشک حد تک مطمئن تھے۔ "عدیل جیسا صابر کوئی ہوتا ہے۔ میں تو بیوی کے روپ میں جرمن ٹینک کو کبھی برداشت نہیں کروں۔ تم ایک کلو بھی ذرا اپنا وزن بڑھا کر تو دکھاؤ اگلے ہی دن ایک حسین اور نازک سی لڑکی میری زندگی میں آ چکی ہوگی۔"

وہ ذرا سی بھی مروت برتے بغیر صاف گوئی سے بولے تھے۔ ابھی تو خیر فکر کی کوئی بات نہیں میں بہت سلم اور نازک سی ہوں لیکن آنے والے وقت کا کسے پتا ہے۔ اگر جو کل کو میرا وزن تھوڑا بہت بھی بڑھ گیا تو یہ تو مجھے گڈ بائے کہنے میں ایک لمحہ نہیں لگائیں گے۔ ساحرہ بھابھی کو بھول کو یہاں تک کہ اینا کورنیکوا کو بھی بھول کر میں اپنے غم میں پڑ گئی تھی۔ انہوں نے میرے مزید کچھ نہ بولنے پر ٹی وی پر سے نظریں ہٹا کر بغور مجھے دیکھا۔

"ابھی سے زیادہ غم مت کرو۔ پچاس کلو ساڑھے پانچ فٹ قد کے حساب سے مناسب وزن ہے۔ فی الحال تم سے زیادہ خوبصورت اور سلم لڑکی میرے اردگرد دوسری کوئی بھی نہیں ہے۔"

بڑے دنوں بعد انہوں نے مجھے خوبصورت کہا تھا۔ میرا مرجھایا ہوا دل پھر بھی زیادہ خوش نہیں ہو پایا تھا۔ بات تو انہوں نے فی الحال کی کی ہے یعنی آگے گنجائش نکل سکتی ہے۔ اگر کوئی مجھ سے زیادہ خوب صورت اور نازک اندام مل گئی تو۔ میں نے شاکی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں یار! کسی خوبصورت لڑکی کی طرف دیکھوں تو بھی اس کے خوبصورتی کے پوائنٹس تم سے کم نکلتے ہیں۔" وہ زیادہ ہی خوشگوار موڈ میں تھے ورنہ میری ایسی تعریف کرنا تو انہوں نے خود پر حرام قرار دے رکھا تھا۔

"پھر بھی گھنٹوں بیٹھ کر اتنی محویت سے اینا کورنیکوا کو دیکھتے ہیں۔"

شکوہ آخر کار میرے لبوں سے نکل ہی گیا تھا۔ وہ جواباً قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔



ایک عورت ہونے کے ناتے (یہاں عورت سے مراد کم عمر سی لڑکی یعنی میں امیمہ ظہیر ہوں) میں ساحرہ بھابھی کا غم اپنے دل کی گہرائیوں سے محسوس کر رہی تھی۔ ان کی سابقہ تمام اوچھی باتوں کو بھلا کر میں اس وقت صحیح معنوں میں ان کی ہمدرد اور غمگسار بنی ہوئی تھی۔ میرے مشورے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے عدیل بھائی سے کوئی جھگڑا نہیں کیا تھا بلکہ اس طرح شو کیا تھا جیسے انہیں میاں کے کرتوتوں کے بارے میں کوئی علم ہی نہیں۔ اسامہ کے ان کے موٹاپے پر دیئے جانے والے کمنٹس نے مجھے ایک نئی سوچ دی تھی۔

میں اگلے ہی روز اسامہ کے آفس جاتے ہی ان کے گھر آ گئی تھی۔ وہ میرے خلوص اور اپنے لیے میری اتنی فکر مندی پر ہلکا سا مسکرائی تھیں ورنہ آج کل تو مسکراہٹ ان کے پاس بھی نہیں پھٹکتی تھی۔ زندہ دلی سے قہقہے لگانے والی وہ خوش باش خاتون چند دنوں میں ہی مرجھائی مرجھائی اور

برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھیں۔ میرا مشورہ انہوں نے بہت توجہ سے سنا تھا۔

''آپ تو ماشاء اللہ اتنی خوبصورت ہیں، بس ذرا سا اپنا وزن کم کر لیں تو اس ''ڈائن'' سے زیادہ ینگ اور خوبصورت نظر آئیں گی۔ آپ ان کے بچوں کی ماں ہیں، اتنی آسانی سے تو وہ ویسے بھی آپ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ بس ذرا تھوڑی سی ہمت اور کوشش کریں، یہ بازی آپ ہی جیتیں گی۔''

میں انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ بجھے دل سے نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔

''اگر میں خوبصورت، سلم اور کم عمر نظر آؤں گی بس تب تک ہی وہ مجھ سے محبت کریں گے۔ جس روز خوبصورتی کے اس پیمانے سے کم نظر آئی تو ان کے دل سے ہی اتر جاؤں گی۔ ایسی غرض میں لپٹی محبت مجھے نہیں چاہیے۔''

ان پر قنوطیت اور مایوسی کا شدید ترین دورہ پڑا ہوا تھا لیکن میں انہیں سمجھانے اور قائل کرنے میں مسلسل مصروف تھی۔

''کیا کریں ساحرہ بھابھی! مردوں کی قوم ہے ہی ایسی۔ ہم ان کی فطرت بدل تو نہیں سکتے۔ کمپرومائز کرنے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں۔ آپ ان تمام مایوسی بھرے خیالات کو اپنے ذہن سے نکالیں اور میرے ساتھ چلیں، وہاں ایروبکس یا یوگا کلاسز میں داخلہ لے لیں، وہیں سے آپ کو ڈائٹ پلان بھی مل جائے گا۔ انشاء اللہ پندرہ بیس روز میں ہی تھوڑا بہت فرق نظر آنا شروع ہو جائے گا۔ آپ کی تو ہائٹ بھی اچھی خاصی ہے۔ ذرا سا بھی وزن کم کر لیں تو بہت دبلی نہ بھی سہی لیکن خاصی سلم نظر آنے لگیں گی۔ پھر آپ جیسی حسین بیوی کو چھوڑ کر عدیل بھائی کہیں اور نظر ڈالنا ہی بھول جائیں گے۔''

میرے کافی دیر تک سمجھانے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے تھے۔ وہ میرے ساتھ بیوٹی پارلر جانے پر آمادہ ہو گئی تھیں۔ وہاں ان کا داخلہ کروا کر اور پھر واپسی میں سارا راستہ انہیں کھانے پینے میں احتیاط برتنے کا سمجھانے کے بعد میں گھر واپس آ گئی تھی۔ ایک نیک کام کر کے دل کو بڑا سکون ملا تھا۔ کسی کا گھر برباد ہونے سے میں بچا رہی ہوں اور یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ میری جگہ کوئی مزہ لینے والی عورت (لڑکی) ہوتی تو بجائے ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور کوئی صائب مشورہ دینے کے جھگڑے کو اور ہوا دیتی۔ ان کا غصہ بھڑکاتی، نتیجتاً یہ دونوں میاں بیوی باہم لڑتے جھگڑتے اور چیختے اور چلاتے نظر آتے۔ اللہ کی عطا ہے اس نے مجھے اتنا نرم دل بنایا ہے۔ ہمدردی اور رحم کے جذبات مجھ میں اتنے وافر ڈال دیئے ہیں۔

ادھر ساحرہ بھابھی کی زوردار ڈائٹنگ اور ایکسرسائز چل رہی تھیں ادھر عدیل بھائی کا اس ''ڈائن'' کے ساتھ زوردار عشق۔ کسی کسی وقت وہ مایوس ہونے بھی لگتیں تو میں ان کا حوصلہ بڑھا کر انہیں نئے سرے سے مقابلے کے لیے تیار کرتی تھی۔ میرے سمجھانے پر انہوں نے کالج گرلز والے فیشن کرنے بھی چھوڑ دیئے تھے۔ لباس بھی اس طرح کا پہننے لگی تھیں جس میں ان کا موٹاپا زیادہ نمایاں نہ ہو بلکہ وہ ایک قدرے بھرے بھرے جسم والی عورت نظر آئیں۔ میں کیونکہ اب ان کے بہت زیادہ نزدیک آ چکی تھی اس لیے ایک روز بڑے اپنائیت بھرے انداز میں میں نے انہیں عدیل بھائی کو اس ''حرافہ'' کے چنگل سے نکالنے کے لیے پیر صاحب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب وہ اتنی کرامت والے بزرگ ہیں تو پھر یہ کام تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ انہوں نے بزرگ کا نام سن کر تنفر سے کہا تھا۔

''اتنا ان کے تعویذوں میں اثر ہوتا تو میرا میاں مجھے یوں دھوکا دے کر کسی اور طرف منہ ہی کیوں مارتا۔ سب یہ ہم جیسی بے وقوف عورتوں کو لوٹنے کے دھندے ہیں، بلاوجہ میں ممی کی باتوں میں آ گئی تھی بلکہ اب تو مجھے ایسا لگتا ہے یہ عدیل کو ان کے گھر والوں سے دور کرنے کی اللہ مجھے سزا دے رہا ہے۔ اس نے میری رسی دراز کر رکھی تھی۔ میں اسے پیر صاحب کی کرامت سمجھتی رہی میں نے ایک ماں سے اس کا بیٹا چھین لیا تھا۔ کیا اللہ مجھے سزا نہ دیتا۔ میرا اتنا چاہنے والا شوہر مجھ سے یوں بدظن اور دور ہو گیا۔ یہ سب میرے اعمال کی سزا ہے۔''

میں ان کے منہ سے یہ بات سن کر حیران رہ گئی تھی۔ اپنے سسرالیوں خاص طور پر ساس کا تو وہ نام سننا بھی پسند نہ کرتی تھیں اور کہاں آج ان ہی کا ذکر کر کے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

''سب کے ساتھ رہنے میں کتنے فائدے ہوتے ہیں۔ ساس سسر کو اپنا بنا کر رکھا ہوتا تو آج ان سے جا کر کہتی کہ دیکھیں آپ کا بیٹا آپ کی اتنی نیک اور فرمانبردار بہو کے ہوتے ہوئے دوسری عورتوں کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ وہ میرا ساتھ دیتے، بیٹے کو لعنت ملامت کرتے، اسے برا بھلا کہتے۔ اب میں کس منہ سے ان سے مدد مانگنے جاؤں، کیسے جا کر کہوں کہ عدیل قریشی دوسری شادی کرنے کے چکر میں ہے۔ روکیں آپ لوگ اسے۔''

ان پر خطرناک حد تک سچ بولنے کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ میں اس بدلے ہوئے لب و لہجے اور ان کے خود اپنے آپ کو ہی قصوروار قرار دینے پر مارے حیرت کے ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔

پھر آنے والے دن اپنے ساتھ کئی حیران کن باتیں لے کر آئے تھے۔ ایک مہینہ بلاناغہ ایکسرسائز اور ڈائٹنگ کرنے سے وہ اپنا وزن بہت زیادہ تو نہیں لیکن تھوڑا بہت کم کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھیں۔ ان سے زیادہ میں ان کا وزن کم ہونے پر خوش تھی اور ابھی اسی خوشی میں مگن ہی تھی کہ ایک روز وہ مجھ سے الوداعی ملاقات کرنے آ گئیں۔ وہ واپس اپنے سسرال جا رہی تھیں ان کے لیے کولڈ ڈرنک نکالتے بوتل اور گلاس دونوں میرے ہاتھ سے گر پڑے تھے۔

''عدیل جانے پر راضی نہیں، کہتے ہیں اب واپس کس منہ سے جائیں گے لیکن میں نے انہیں زبردستی راضی کر لیا ہے۔ وہاں کسی کو پتا نہیں ہمارے آنے کا۔ مجھے پتا ہے وہاں سب کا رویہ میرے ساتھ کیسا ہوگا۔ سب مجھے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیں گے لیکن اس بار میں وہاں سب کے دل جیتنے جا رہی ہوں۔ وہ مجھ سے کتنے بھی ناراض سہی میں اپنی محبت اور خدمت سے ان کے دلوں میں جگہ بنا لوں گی اور تم یہ مت سمجھنا امیمہ! کہ میں اچانک بڑی نیک پروین بن گئی ہوں۔ یہ واپس جانا بھی دراصل میری خود غرض سوچ ہی ہے۔ وہ رشتوں کی اس مضبوط زنجیر سے دور ہو گئے تھے۔ میں واپس انہیں اسی زنجیر سے باندھنے جا رہی ہوں تاکہ پھر انہیں ایسے نئے رشتے تلاش کرنے کی فرصت ہی نہ ملے۔ میں شوہر کو کسی کے بھی ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے محبت کرتے تو مجھے برا لگتا تھا لیکن ساس، سسر، نندوں اور دیوروں کے ساتھ میں ان کا پیار شیئر کر لوں گی کسی دوسری عورت کے ساتھ انہیں شیئر کرنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔''

وہ سر سے لے کر پاؤں تک تبدیل ہو گئی تھیں۔ ایک بالکل بدلی ہوئی ساحرہ قریشی میرے سامنے کھڑی تھیں۔ بہت سوبر اور بہت میچور...... میں نے نیک تمناؤں اور انہیں ان کے مقصد میں کامیابی کی دعائیں دیتے ہوئے رخصت کیا تھا۔ ان کے ہونے سے دوسراہٹ اور اجنبی

شہر میں اپنائیت کا احساس مل جایا کرتا تھا۔ اب وہ احساس مجھے کہاں سے ملے گا، جاتے جاتے وہ مہناز کو میرے پاس رکھوا گئی تھیں۔

''کام بھی اچھا کرتی ہے اور ایمان دار بھی بہت ہے۔ پیسہ، زیور کچھ بھی سامنے رکھا ہو آنکھ اٹھا کر دیکھتی بھی نہیں۔ تمہیں کمپنی بھی مل جائے گی اور گھر کے کاموں میں تمہاری مدد بھی ہو جایا کرے گی۔''

دراصل مہناز ان کے ہاں کا کام چھوٹ جانے پر بہت پریشان تھی۔ اس سے زیادہ اس کی ماں جو بیٹی کو ایسے ویسے کسی گھر میں کام کے لیے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی، ساحرہ بھابھی کے ہاں کا اچھا ماحول اور دن میں گھر پر کسی مرد کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہی اس نے بیٹی کو دن بھر کے لیے ان کے پاس چھوڑ رکھا تھا۔ صبح سات بجے آ کر وہ رات آٹھ بجے جایا کرتی تھی۔ خوبصورت، جوان بیٹی گھر گھر پھرنے اور ایسی ویسی نظروں سے بچ بھی گئی تھی اور آمدنی کا بھی معقول انتظام ہو گیا تھا۔ میں کون سی ایسی بااختیار تھی جو اپنی مرضی سے کوئی ملازمہ رکھ سکتی۔ اسامہ سے پوچھے بغیر میں ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ خلاف توقع انہوں نے بغیر کسی بحث اور ''بجٹ آؤٹ ہو جائے گا'' وغیرہ کا ذکر کیے بغیر اسے ملازمہ رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔



ساحرہ بھابھی کے علاوہ اپنی بلڈنگ میں سوائے ہائے ہیلو کے میری کسی سے ایسی کوئی خاص دوستی نہیں تھی کہ وقت بے وقت بوریت دور کرنے ان کے گھر پہنچ جاؤں چنانچہ مہناز کے آ جانے پر میں نے کسی قدر روسراہٹ محسوس کی۔ چلو کوئی بات کرنے والا تو ملا۔ پھر وہ لڑکی سمجھدار اور ذہین بھی تھی۔ باتیں بھی خاصی معقول کرتی تھی۔ جتنی تیزی سے اس کی زبان چلتی تھی اس سے بھی زیادہ تیزی سے ہاتھ پاؤں۔ بڑے سے بڑا کام وہ منٹوں میں کر کے رکھ دیا کرتی تھی۔ پہلے جو اسامہ کے آفس جاتے وقت صبح گھر پر ایمرجنسی کا نفاذ ہوا رہتا تھا اب اس کا دور دور ذکر نہیں تھا۔

وہ ٹھیک سات بجے آتی اور آتے ہی کچن میں گھس جایا کرتی تھی۔ جھٹ پٹ ناشتہ بنا کر اور ٹیبل پر لگا کر وہ میرے پاس کمرے میں آ جایا کرتی۔ میں ابھی جمائیاں لیتی، اسامہ کے کپڑے ہی استری کر رہی ہوتی تھی وہ مجھے ہٹا کر خود کپڑے استری کر دیتی اور پھر اسی پھرتی سے ان کے جوتے پالش کر کے رکھ دیتی۔

چند دنوں میں ہی وہ سارا کام اتنی اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ مجھے کسی بات پر ٹوکنے یا سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی تھی حالانکہ وہ بمشکل سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔ بالکل اسامہ کی مرضی کے مطابق مشرومز والا آملیٹ بناتی۔ اتنا اچھا اور پھولا پھولا آملیٹ تو مجھ سے بھی نہیں بنتا تھا۔ روز ناشتہ کرتے ہوئے وہ تب ہی تو ممی کے ہاتھوں کے آملیٹ کو یاد کیا کرتے تھے اور صبح صبح میرا خون جلایا کرتے تھے۔ اب صبح صبح ممی کا ذکر سننے سے میرے کان بچ گئے تھے اور بڑی محنت سے بنا بنایا خون بھی جلنے سے بچ گیا تھا۔ چائے تو وہ اتنی مزے کی بناتی تھی کہ اکثر ناشتے میں اسامہ دو کپ چائے پینے لگے تھے۔ وہ بہت اچھی طرح اور ذمہ داری سے کام کر رہی تھی۔

میں اس سے بہت خوش تھی۔ کچھ اس خوشی کی وجہ سے اور کچھ اپنی سدا کی مہربان طبیعت کی وجہ سے میں نے بے دھڑک اپنے کئی اچھے اچھے اور قیمتی جوڑے اسے دے ڈالے تھے۔ وہ تھی بھی بہت کم عمر اس لیے اسے سجنے بننے کا شوق بھی بہت تھا۔ ہر روز میرے دیئے کپڑوں میں سے کوئی اچھا اور خوبصورت سا سوٹ پہن کر اور میری ہی دی ہوئی میچنگ کی چوڑیاں اور ایئر رنگز وغیرہ پہن کر وہ خوب سج دھج کر آتی تھی۔ کبھی کوئی مہمان گھر پر

آتا تو اتنی خوبصورت اور صاف ستھری ملازمہ ملنے پر میری خوش قسمتی پر رشک کرتا تھا۔

اس نے مجھے کافی حد تک آرام طلب اور سست بنا دیا تھا۔ پہلے جو میں پھرکی کی طرح سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف گھومتی رہتی تھی اب خاصی آرام اور سکون میں تھی لیکن یہ آرام اور سکون ہی تو مجھے درحقیقت مہنگا پڑ گیا تھا۔ ساحرہ بھابھی نے کہا تھا کہ مردوں کی ذات بڑی خبیث ہوتی ہے تو کچھ غلط نہیں کہا تھا۔ ان کے شوہر نے تو پھر کچھ اپنے اسٹینڈر اور اسٹیٹس کا خیال رکھا تھا اور ایک ایم بی اے پاس امیر گھرانے کی لڑکی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ میرے شوہر صاحب کا معیار اتنا گرا ہوا تھا کہ انہیں گھر میں کام کرنے والی ایک معمولی ملازمہ دل لگانے کے لیے معقول نظر آئی تھی۔ میرے مقابلے پر کسی کو لا ہی رہے تھے تو کم از کم وہ میرے مقابلے کی تو ہوتی۔ ایک معمولی نوکرانی کو انہوں نے میرے برابر لا کھڑا کیا تھا۔

میرا مارے رنج اور صدمے کے جو حال ہو جاتا کم تھا۔ ساحرہ بھابھی کو تو چلوان کے اعمال کی سزا ملی تھی۔ میں تو کبھی بھولے بھٹکے بھی کسی پیر یا بابے کے پاس نہیں گئی اور سسرالیوں سے دور ہوں تو کون سا اس میں میری کسی کوشش کا دخل ہے۔ دوبارہ ان کی اسلام آباد پوسٹنگ ہو جائے تو ہم سب کے ساتھ ہی رہیں گے۔ کبھی کسی کا دل بھی نہیں دکھایا۔ ہمیشہ سب کا بھلا ہی چاہا پھر بھی میرے ساتھ یہ سب ہو رہا تھا۔

میرا دل چیخ چیخ کر رونے اور ماتم کرنے کو چاہ رہا تھا۔ میں ہمیشہ ہی سے بہت سیدھی سادی اور بھولی بھالی ہوں۔ لوگوں کی مکاریاں اور عیاریاں سمجھنی مجھے کبھی آئی ہی نہیں۔ اپنی اس سادگی کے ہاتھوں مار کھا گئی۔

شروع شروع میں اسامہ کی مہناز میں زیادہ توجہ کو میں نے محسوس ہی نہیں کیا۔ وہ مجھ سے کہنے کے بجائے اپنا ہر کام اس سے کروانے لگے تھے۔ اس کے بنائے ناشتے اور چائے کی خوب تعریفیں کی جاتیں اور وہ بھی میرے سامنے۔ میں ایسی احمق کہ ان کی تعریفوں پر خوش ہوا کرتی تھی۔ پہلی مرتبہ چونکی تو میں اس وقت جب مجھے اپنے جوتے پالش کرتے دیکھ کر انہوں نے ٹوک دیا تھا۔

”تم رہنے دو، مہناز بہت اچھی طرح جوتے چمکاتی ہے، کہاں ہے وہ بلاؤ اسے۔“

کیسا محبت سے اس کا نام لیا گیا تھا۔ مجھے آگ ہی تو لگ گئی تھی۔ پھر میرے جواب دینے سے پہلے انہوں نے خود ہی مہناز کو آواز دے کر بلایا تھا۔ وہ کچن میں تھی۔ تیزی سے دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی وہ کمرے میں آئی تھی۔

”جی بھائی.....“ وہ اسامہ کو بھائی اور مجھے باجی کہا کرتی تھی۔ بھائی کہنے سے کوئی بھائی بن تھوڑی جاتا ہے۔ اس کی نیت میں فتور تھا یا نہیں لیکن بھائی صاحب کی نیت تو خراب تھی۔ میرے ہی دیئے کاٹن کے اسٹاکش سے ریڈ سوٹ میں وہ خطرناک حد تک حسین لگ رہی تھی۔

میں نے نگاہیں بدل کر اسے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ میں ایک فتنہ خود اپنے ہاتھوں اپنے گھر لے آئی ہوں۔ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا اسے ہی کہا جاتا ہے۔ ایک تو منحوس خوبصورت بلا کی ہے۔ اس پر کم بخت کا فگر اور ہائٹ بھی غضب کی ہے۔ کیا سشمیتا کا فگر اور ہائٹ ہوگی جو اس کی تھی۔ میں دل پر ہاتھ رکھے اس شعلہ ساماں اور کافرادا حسینہ پر اپنے میاں کی مسلسل مرکوز گہری نظریں خاموشی سے دیکھ رہی تھی اور ان نگاہوں کی گہرائی دیکھ کر میرا دل اندر ہی اندر ڈوبا جا رہا تھا۔

دل چاہا اسی وقت اس منحوس کو اپنے گھر سے ہاتھ پکڑ کر نکال دوں۔ کیسا گھنا شوہر ملا تھا مجھے۔ میری ہی آنکھوں کے سامنے گھر کی نوکرانی

سے عشق فرمایا جا رہا تھا اور میں احمقوں کی سرداران کی ہر بات اور ہر کام کے لیے مہناز کو آواز دینے اور اس کی جا بے جا تعریفوں کی اصل وجہ سمجھ ہی نہیں پائی۔

''تم بہت اچھے جوتے پالش کرتی ہو مہناز! تمہاری باجی جس طرح اور کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتیں ایسے ہی جوتے چمکانے بھی انہیں کبھی نہیں آئے۔''

وہ ایک شرارتی نگاہ مجھ پر ڈال کر بے تکلفانہ انداز میں اس سے مخاطب تھے۔ وہ ان کا مذاق انجوائے کرتی ہنستے ہوئے جوتے چمکانے بیٹھ گئی تھی۔ میرا غصے کے مارے برا حال تھا۔ سخت غصے میں پیر پٹختی میں کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ باہر نکلتے ہی اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔ یہ تو میں خود ان دونوں کو موقع فراہم کر رہی ہوں لیکن اب واپس اندر جاتے ہوئے انا آڑے آ رہی تھی۔ ناچار دل پر بوجھ اور پچھتاوا لیے لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔

وہ ان کے جوتے پالش کر چکی ہوگی۔ اب خود اپنے ہاتھوں سے انہیں جوتے پہنا رہی ہوگی۔ وہ بیڈ پر بیٹھے اپنے بالکل سامنے کارپیٹ پر بیٹھ کر جوتے پہناتی حسین دوشیزہ کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ ان کی نگاہوں سے شرما کر سر جھکائے مسکرا رہی ہوگی اور مسکراتے ہوئے اس کے گالوں میں ڈمپل بھی پڑ رہے ہوں گے۔ اور اس کے ان ڈمپلز پر وہ اپنی کل کائنات قربان کرنے کو تیار ہوں گے۔ میں اس منظر کو سوچتی خود کو بمشکل رونے سے روک رہی تھی۔ کافی دیر بعد وہ ڈائننگ روم میں آئے تھے۔

وہ ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھے تو میں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی ان کا ہنستا مسکراتا چہرہ دیکھ کر تپ گئی تھی۔ میری ناراضی کی اس سے پہلے کب کوئی پرواہ کی گئی تھی جو آج کی جاتی اور اپنے حساب سے تو انہوں نے مجھ سے ایک مذاق کیا تھا جس پر میں خوامخواہ برا مان گئی تھی۔ میرے ہی کہنے پر آج مہناز نے ناشتے میں پوریاں اور آلو کی ترکاری بنائی تھی۔ وہ بھاگ بھاگ کر اسامہ کے لیے گرما گرم پوریاں لا رہی تھی اور وہ خوب مزے لے لے کر اس کے پکائے کھانوں کی تعریفیں کرتے کھانے میں مصروف تھے حالانکہ روزانہ ہم دونوں ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرتے تھے لیکن آج میرے ان کے ساتھ ناشتہ نہ کرنے کا انہوں نے ذرا سا بھی نوٹس نہیں لیا تھا۔

خوب اچھی طرح ناشتہ کر کے اور حسب معمول فرمائش کر کے مہناز سے ایک کپ چائے اور منگوا کر اور اسے مزے لے لے کر پی چکنے کے بعد وہ ایک سرسری سی نگاہ مجھ پر ڈال کر ٹیبل سے اٹھ گئے تھے۔ میں بظاہر اخبار اپنے سامنے پھیلائے بیٹھی تھی۔ وہ بریف کیس اور موبائل اٹھا کر بغیر مجھے خدا حافظ کہے ڈائننگ روم سے نکل گئے تھے حالانکہ ہمارے فلیٹ کے مین دروازے میں آٹو میٹک لاک لگا ہے۔ پیچھے دروازہ بند کرنے کے لیے کسی کے جانے کی ضرورت نہیں لیکن مہناز پھر بھی ان کے پیچھے پیچھے گئی تھی۔ میں سلگ کر رہ گئی تھی۔

''تمہاری جل ککڑی باجی کا موڈ ٹھیک ہو جائے تو انہیں ناشتہ کروا دینا۔''

ان کی شوخ سی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ جواباً مہناز کیا بولی یہ مجھے سنائی نہیں دیا تھا۔ ناشتہ تو خیر مجھے کیا کرنا تھا بہت بن چکی میں الو۔ میں نے اسی شام جب مہناز کی ماں اسے لینے آئی تو اس کے ہاتھ میں اس مہینے کی پوری تنخواہ رکھ کر کل سے کام پر نہ آنے کا کہہ دیا۔ اگرچہ ابھی

مہینہ ختم ہونے میں پورے بیس دن باقی تھے لیکن میں نے پھر بھی اسے پورے مہینے کے پیسے دے دیئے تھے۔ مہناز اور اس کی ماں میرے بدلے ہوئے رویئے اور کام سے منع کرنے والی بات پر صدمے سے منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

بندھی بندھائی معقول آمدنی ہاتھ سے جاتے دیکھ کر ان دونوں ہی کے منہ ست گئے تھے۔ مہناز کی شکل بالکل رونے والی ہو رہی تھی، اس کی ماں میرے ہاتھ پاؤں جوڑ جوڑ کر مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ مجھے اس کی بیٹی سے کیا شکایت ہے۔ کیا وہ کام صحیح نہیں کرتی، چھٹی کرتی ہے، وقت پر نہیں آتی۔

میں اسے کیا بتاتی کام کے حوالے سے تو اس نے مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ پچھلے دو مہینے اور اس مہینے کے یہ دس دن اس نے پوری ذمہ داری اور دیانت داری سے کام کیا تھا۔ وہ شاید اسامہ کی طرف سے اس طرح کے کسی نظریئے سے متوجہ بھی نہیں تھی اور اگر بالفرض تھی بھی تو اس کم عمر اور نادان لڑکی کو بہکانے والا بھی میرا شوہر ہی تھا۔ کسی سے اس کی روزی چھینتے دل تو میرا دکھ رہا تھا لیکن ایسی ہمدردی جو میرا گھر ہی جلا کر رکھ دے...... میں بھر مائی ایسی ہمدردی اور خدمتِ خلق سے۔ ڈھونڈ لیں اب یہ ماں بیٹی کوئی اور شریف گھرانہ۔

جہاں کوئی ایسی ویسی نظر سے نہ دیکھے اور شرافت کے لحاظ سے تو خود میرا گھر ہی مشکوک ہو گیا تھا۔ جب کہ اس کی ماں کی تو شرط ہی یہی تھی کہ بیٹی کو کسی شریف گھر میں جہاں لڑکے اور مرد زیادہ تعداد میں نہ ہوں وہاں چھوڑے گی۔

کافی دیر تک میری منت سماجت کرنے کے بعد وہ دونوں بڑی مایوسی کے عالم میں مجھے خدا حافظ کہتی واپس چلی گئی تھیں۔ شکر میں نے اس فتنے سے جان تو چھڑائی۔ میں نے بڑی گہری طمانیت بھری سانس لی تھی۔

اگلے روز چھٹی کا دن تھا، مہناز ساحرہ بھابھی کے پاس چھٹی کے دن بھی آیا کرتی تھی چنانچہ میرے پاس بھی اتوار کو چھٹی نہیں کیا کرتی تھی اسامہ سے میری کل صبح سے ہی بات چیت بند تھی۔ وہ خود تو مجھ سے بات کر رہے تھے لیکن میں ان کی پوچھی گئی بات کا مختصر جواب دے کر خاموش ہو جاتی تھی۔ خود سے تو میں نے ان سے ایک لفظ بات نہیں کی تھی، وہ اس طرح ظاہر کر رہے تھے جیسے انہیں میری ناراضی کا علم ہی نہیں۔ صبح وہ دیر سے سو کر اٹھے تھے میں کچن میں ناشتہ بنا رہی تھی۔

''مہناز نہیں آئی؟''

اٹھنے کے ساتھ ہی لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں، ایک دوسرے پر سلامتی بھیجی جاتی ہے اور انہیں جاگتے ہی اس منحوس سشمیتا کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ کل سے آج تک جتنا میں برداشت کر چکی تھی وہی بہت تھا، اب مزید مجھ میں ہمت نہیں تھی۔

''اسے میں نے نکال دیا ہے۔''

ایک نظر ان پر ڈال کر میں نے بظاہر پرسکون انداز میں جواب دیا۔

''نکال دیا ہے لیکن کیوں؟'' کیسی فکر مندی چھائی تھی ان کے چہرے پر، ایک معمولی ملازمہ کے لیے ہونے والی یہ انکوائری اور تشویش میری برداشت سے باہر تھی۔

''آپ کا اس بات سے کیا تعلق ہے، اسے میں نے اپنا ہاتھ بٹانے کے لیے رکھا تھا۔ رکھا بھی میں نے ہی تھا اور نکالا بھی میں نے ہی ہے پھر آپ کو اس قدر تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟''

میں نے طنزیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا۔ اس لب و لہجے میں میں ان سے پہلی مرتبہ بات کر رہی تھی اور اس بات پر یقیناً وہ بے تحاشا حیران ہو رہے تھے۔

''کوئی وجہ بھی تو ہو نکالنے کی، یوں بے وجہ کسی سے اس کی روزی چھیننا اچھی بات تو نہیں۔''

میری بدتمیزی کا جواب انہوں نے بڑے تحمل سے دیا تھا لیکن میں اس منحوس کے لیے ہمدردی کا بخار چڑھتا دیکھ کر ہی آگ بگولہ ہو گئی تھی۔

''آپ کو بڑی اس کی مامتا آ رہی ہے، بڑی سگی لگتی ہے وہ آپ کی۔'' غصے میں ایک بے تکی بات میرے منہ سے نکلی تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے امیمہ! تم ہوش میں تو ہو۔ کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ کس سے مخاطب ہو۔'' اب وہ بھی غصے میں آ گئے تھے لیکن آج میں اس غصے سے ڈرنے والی نہیں تھی۔

''جی ہاں ہوش میں ہوں بلکہ اب ہی جا کر تو ہوش میں آئی ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت میں اپنے عزت مآب عالی جناب شوہر نامدار سے مخاطب ہوں جو ایک معمولی سی ملازمہ سے میری آنکھوں کے سامنے عشق لڑا رہے ہیں۔''

جس بات سے میں نے ساحرہ بھابھی کو منع کیا تھا خود وہی بات کرنے لگی تھی۔ دوسروں کو نصیحت کرنا بہت آسان ہوتا ہے اور خود اس پر عمل کر بہت مشکل۔

''تمہیں شرم نہیں آئی ایسی بات کرتے ہوئے، وہ چھوٹی سی بچی، کیا میں اسے اس نظر سے...... لاحول ولاقوۃ......''

غصہ میں انہوں نے اپنا جملہ ہی نامکمل چھوڑ دیا تھا، گھور گھور کر مجھے دیکھ رہے تھے ابھی کچا چبا جائیں گے۔

''اسے بچی کی نظر سے دیکھا ہوتا تب ناں، دنیا کے سارے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں، دل پھینک اور نظر باز میرے تو ایک ایک کام میں سو سو عیب نظر آتے ہیں اس کے ہر کام پر واہ واہ۔ آپ کو تو میں اپنی جان بھی نکال کر دے دوں تو یہی کہیں گے کہ یہ کیا بے کار چیز دی ہے، دینی ہی تھی تو کچھ ڈھنگ کی چیز تو دیتیں۔ مجھ میں سوائے کیڑے نکالنے کے کچھ آتا ہے آپ کو اور وہ ''بچی'' بڑی عزیز از جان ہو گئی ہے۔ اس کی ہر ادا اور ہر کام لاجواب ہے۔''

میں اپنی ایم اے کی ڈگری کو بھلائے بالکل جاہل عورت کی طرح ہاتھ نچا نچا کر انہیں طعنے دے رہی تھی۔

''بہت برداشت سے کام لے رہا ہوں میں ورنہ اس بے ہودگی اور بدتمیزی پر ایک تھپڑ تمہارے منہ پر مارتا۔''

وہ بلند آواز میں چیخے تھے، میں ان کے چیخنے اور تھپڑ مارنے والی بات پر بے اختیار رو پڑی تھی۔

''ہاں ایک اسی بات کی کمی رہ گئی ہے وہ بھی پوری کر لیں۔ مفت کی نوکرانی ہاتھ لگی ہے، چاہے جو سلوک کریں اف نہیں کرے گی۔''

میں روتے ہوئے بولی تھی۔ وہ میرے رونے پر غصے سے پاؤں پٹختے اور ''کس جہنم میں پھنس گیا ہوں میں'' کہتے واپس کمرے میں چلے گئے تھے۔

''میں اب ان کے لیے جہنم ہوگئی ہوں اور ''وہ'' یقیناً جنت ہوگی ان کی۔

میں کچن سے نکل کر لاؤنج میں آکر صوفے پر اوندھی لیٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ کچن میں میرے آملیٹ کے لیے پھینٹے گئے انڈے جوں کے توں پڑے تھے۔ ٹوسٹر میں ڈلے سلائس باہر آنے کے لیے یقیناً بے تاب ہوں گے، چولہا جلا ہوا تھا یا بند تھا۔

مجھے اس کی بالکل بھی خبر نہیں تھی۔ بھوکی پیاسی میں بلک بلک کر روئے چلی جا رہی تھی۔ ''میں بھوکی پیاسی مر جاؤں یا روتے روتے جان دے دوں انہیں کون سی میری پرواہ ہے بلکہ وہ تو شکر ادا کریں گے کہ چلو جان چھوٹ گئی۔''

میں روتے ہوئے مسلسل اسی طرح کی باتیں سوچ کر اپنا دل جلا رہی تھی۔ انہوں نے ایک بار بھی کمرے سے باہر نکل کر مجھے آکر دیکھا تک نہیں تھا بلکہ جب سے اسی طرح کمرہ بند کیے پتا نہیں اندر کیا کر رہے تھے، کر کیا رہے ہوں گے آرام سے بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگے ہوں گے یا کمپیوٹر آن کر کے انٹرنیٹ پر مصروف ہوگئے ہوں گے۔ مجھ جیسی بے کار اور فالتو شخصیت کے بارے میں سوچنے کی انہیں ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔ کچھ ہی دیر میں کمرے سے گانوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ مجھے رلا کر اور مارنے کی دھمکیاں دے کر اب سکون سے میوزک سے لطف اندوز ہوا جا رہا تھا۔

شہزاد رائے کا ''وہ لڑکی کتنی سندر تھی'' کی آواز میرے کانوں میں مسلسل ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

''یہ سندر لڑکی'' کون تھی جسے اتنی شدت سے یاد کیا جا رہا تھا میں اس بات سے بخوبی آگاہ تھی اور یہی بات میرے رونے میں شدت پیدا کر رہی تھی۔

''بند کرو اب یہ ڈرامہ بازی، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

کافی دیر بعد ان کی حکمیہ آواز میرے کانوں میں آئی تھی۔ درمیان میں شاید دو ڈھائی گھنٹے تو ضرور گزر ہی گئے ہوں گے۔ میں نے ان کی بات پر سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا اسی طرح کشن میں منہ دیے صوفے پر پڑی رہی تھی۔ میرا رونا ڈرامہ بازی ہے حالانکہ روتے روتے میں خود ہی کافی دیر ہوئی چپ ہو چکی تھی لیکن ڈرامہ بازی کے لفظ پر مجھے دوبارہ رونا آنے لگا تھا۔

''جب کوئی خدمت کروانی ہوتی ہے اسی وقت میری یاد آتی ہے ورنہ تو میں مر بھی جاؤں پلٹ کر پوچھا بھی نہیں جائے گا۔''

کشن میں منہ دیے ہی میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ختم کرو اب یہ بچپنا، دیکھو دوپہر کے دو بج رہے ہیں تمہیں بھی تو بھوک لگ رہی ہوگی۔''

وہ میرے سر پر کھڑے خفگی بھرے انداز میں گویا ہوئے۔

''میری بھوک کی فکر کرنے کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں اور باہر ایک سے ایک اچھا ریسٹورنٹ اور ہوٹل موجود ہے۔ ضروری ہے کیا ہر وقت خادمہ ہی سے پکوا کر کھایا جائے؟''

میں دوبارہ رونے لگی تھی وہ جواب میں کچھ بھی نہیں بولے تھے۔ چند سیکنڈ بعد میں نے ان کے لاؤنج سے جاتے قدموں کی آواز سنی۔ یقیناً میری طرف سے مایوس ہو کر اب کسی ریسٹورنٹ کا رخ کیا جائے گا۔ دو چار منٹ بعد مجھے کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ گھر میں ہم دونوں

کے علاوہ تیسرا کوئی فرد تھا ہی نہیں۔ ظاہری بات ہے کچن میں وہ ہی تھے۔ زور زور سے چیزیں گرنے اور زبردست شور کی آوازیں کچن سے آ رہی تھیں ایسا لگ رہا تھا کچن میں کوئی زلزلہ آ گیا ہے۔ ان کے بس کا کیا ہے، ہل کر پانی تک تو پیتے نہیں ہیں فریج کے پاس بھی کھڑے ہوں تو بھی پانی مجھ سے ہی مانگا جاتا ہے۔ دراصل ان کی عادتیں میں نے ہی خراب کی ہیں۔ اچھا ہے خود پکائیں، میری بلا سے۔ جس شخص کو چائے بنانی نہ آتی ہو وہ کھانا کیا بنائے گا۔

''انڈوں میں نمک ڈالا ہوا ہے؟'' انہوں نے کچن سے چلا کر مجھ سے پوچھا تھا۔

''یہ مظلومیت ظاہر کرنے کا اچھا طریقہ ہے لیکن میں بھی آج ٹس سے مس نہیں ہوں گی، ڈھیٹ بنی رہوں گی۔'' میں بغیر کوئی جواب دیئے خاموش پڑی رہی تھی۔ وہ کچھ جھنجھلا کر واپس لاؤنج میں آئے تھے۔

''اب بنا تو رہا ہوں صرف اتنا ہی بتا دو کہ انڈوں میں کیا کیا چیز ڈال چکی ہو'' ان کے انداز میں جھنجھلاہٹ کے باوجود صلح کی خواہش نظر آ رہی تھی یعنی وہ جھگڑا ختم کرنا چاہ رہے تھے۔

''میں کیوں بتاؤں، میں تو جہنم ہوں جس میں آپ کو پھنسا دیا گیا ہے، جائیے کوئی اچھی سی جنت تلاش کرلیں۔''

زندگی میں پہلی مرتبہ تو وہ مجھے منانے کے موڈ میں اور میرے نخرے اٹھانے کو تیار ہوئے تھے تو میں اتنی جلدی کیوں مان جاتی۔ ہمیشہ میں انہیں مناتی ہوں، ان کے نخرے اٹھاتی ہوں، کیا حرج ہے اگر آج تھوڑے سے میں اپنے نخرے اٹھوا لوں۔''

''اچھا پکاؤں گا میں، تم صرف بتاتی رہو'' انہوں نے صلح جو اور دوستانہ انداز اختیار کیا تھا۔

''میں بتاؤں گی بھی نہیں، مجھے مارنے کی دھمکیاں دے کر اور رلوا کر اب یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں آپ کی باتوں میں آ جاؤں گی۔''

اپنے اس جملے پر مجھے چڑیا اور چڑے کی کہانی یاد آ گئی تھی میرا جملہ بھی تو کچھ کچھ ''مارا کوٹا، کونے میں ڈالا ہٹ موئے میں نہیں پکاتی'' جیسا ہی تھا۔ شکر تھا کہ میرا منہ کشن میں چھپا ہوا تھا ورنہ میرے لبوں پر آتی مسکراہٹ دیکھ کر وہ نرمی اور محبت کا چولا اتار کر حسب عادت اکڑ جاتے۔

وہ ایک مرتبہ پھر لاؤنج سے نکل گئے تھے۔ کافی دیر تک کچن سے زلزلوں سے مشابہ آوازیں آتی رہی تھیں۔ پتا نہیں کیا کیا نقصان کر دیا گیا تھا۔ یہ سارا پھیلاوا بعد میں مجھے ہی سمیٹنا پڑے گا لیکن پھر بھی اس وقت میں اپنے اکڑنے کو انجوائے کر رہی تھی۔ یہ کہیں لکھا تو نہیں دیا گیا تھا کہ ہمیشہ وہ اکڑیں گے اور میں انہیں مناؤں گی، کبھی اس کے برعکس بھی تو ہو سکتا ہے۔

بہت دیر کے بعد وہ دوبارہ لاؤنج میں آئے تھے۔ اب کی بار میرے پاس آ کر کھڑے ہونے کے بجائے انہوں نے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے مجھے اٹھا کر بٹھا دیا تھا۔

''اچھی امیمہ! پیاری امیمہ! کھانا کھا لو......''

حیرت ہے میرے ساتھ ساتھ انہیں بھی اس وقت چڑیا اور چڑے کی کہانی ہی یاد آئی تھی۔ میں ہم دونوں کے پہلی مرتبہ ایک ہی فریکوئنسی پر سوچنے پر دل ہی دل میں حیران ہوئی تھی۔ اب کیونکہ ان کے بالکل سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور مسکراہٹ چھپانے کے لیے کوئی کشن بھی سامنے نہ تھا اس لیے میری بے ساختہ مسکراہٹ ان سے چھپ نہیں سکی تھی۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ دیکھ کر وہ خود بھی مسکرانے لگے تھے۔

کہانی مکمل ہوگئی تھی، اب مجھے جا کر کھانا کھانا ہی تھا چاہے انہوں نے کچھ بھی بنایا ہو اور کتنا ہی بدذائقہ کیوں نہ ہو۔ میں تو پھر بھی اس سے لطف اندوز ہوں گی۔ خدمت کروانے اور نخرے اٹھوانے کا خمار اتنی جلدی اتر نہیں سکتا تھا۔

''اتنی فضول سی بات کو لے کر تم نے جھگڑا کھڑا کیا، اب میرا معیار یہ ہو گیا کہ میں ایک نوکرانی پر عاشق ہوں گا۔''

میں انتہائی تیز نمک والے آملیٹ سے ''لطف اندوز'' ہو رہی تھی جب انہوں نے ایک مرتبہ پھر وہی ذکر چھیڑ دیا تھا۔

''اور میں اتنا پاگل بھی نہیں ہوں، مجھے اگر کچھ کرنا ہی ہوگا تو گھر سے باہر کیا خوبصورت لڑکیوں کی کوئی کمی ہے جو تمہارے سامنے اپنی شامت بلوانے کے لیے ایک معمولی سی ملازمہ کی طرف متوجہ ہوں گا۔ باہر کون سا تم میرے ساتھ ہوتی ہو۔ مجھے کچھ کرنا ہو تو مواقع بے شمار، تمہیں کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی۔''

وہ سلائس پر پنیر لگاتے ہوئے گویا خود کو ان تمام الزامات سے بری کروانا چاہ رہے تھے جو میں نے ان پر عائد کیے تھے۔ مجھے یقین نہ کرتے ہوئے بھی ان باتوں پر یقین کرنا ہی تھا۔ اگر جو وہ میرے لڑنے اور طعنے دینے کے جواب میں ڈھٹائی سے کہتے کہ

''ہاں میں اس سے محبت کرتا ہوں کر لو تمہیں جو کرنا ہے تو میں ان کا کیا بگاڑ لیتی۔ یہاں تو پھر بھی غنیمت ہے کہ وہ اس بات سے انکاری ہیں۔ شاید خود کو بھی ملازمہ کے معمولی ہونے اور اپنے اسٹیٹس اور معاشرے میں اعلیٰ ترین مقام کا خیال آ گیا ہے۔

''ہم اسلام آباد واپس کب جائیں گے؟''

اپنا بنایا ہوا ناشتہ خود ان سے ہی نہیں کھایا جا رہا تھا چنانچہ میں نے جلدی جلدی فریج سے آٹا نکال کر ان کے لیے ایک عدد پراٹھا پکایا تھا۔ گرم گرم خستہ پراٹھا اور چائے کا کپ لا کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے میں نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ وہ میرے سوال پر متعجب سے انداز میں مجھے دیکھ رہے تھے یعنی میری بات سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''مجھے ممی اور سب لوگ بہت یاد آ رہے ہیں۔''

میرے منہ سے ممی کا ذکر اور وہ بھی اتنے پیار بھرے انداز میں سن کر نوالہ ان کے حلق میں پھنس گیا تھا۔ زور زور سے کھانستے وہ حیرت سے مجھے تکے جا رہے تھے۔ وہ جتنا ممی کے گن گاتے اور ان سے والہانہ پیار کرتے ہیں میں اتنا ہی ان سے چڑتی ہوں، اس بات سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ حالانکہ میں نے کبھی ان کے منہ پر ممی کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر وہ ناسمجھ تو نہیں جو میری ناپسندیدگی کو محسوس نہ کر سکیں۔ ان کی حیرت، بے یقینی اور تعجب پر مجھے شرمندگی تو بہت ہو رہی تھی لیکن پھر بھی میرا دل مطمئن تھا۔ جو بات ساحرہ بھابھی نے بہت دیر میں جا کر اور ٹھوکر کھا کر سمجھی تھی وہ میں نے بہت جلدی سمجھ لی ہے۔ یہ شخص جو میرا شوہر ہے یہ اس عورت کا بیٹا بھی تو ہے۔ کیا حرج ہے اگر میں ایک ماں کے ساتھ اس کا بیٹا شیئر کر لوں۔ وہ پورا کا پورا میرا ہو جائے، اسے اس کی ماں سے چھین لوں، مجھے اب ایسی کوئی خواہش نہیں، میں ممی کے ساتھ اسامہ شہریار کو خوشی خوشی شیئر کروں گی، یہ شراکت داری مجھے ہرگز بری نہیں لگے گی لیکن کسی اور عورت کے ساتھ انہیں شیئر کرنے کا میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔

